تالیف

خواجہ محمد قاسم

برائے رابطہ:

گوجرانوالہ ایڈورٹائزر اردو بازار گوجرانوالہ 740294

مصنف

خواجہ محمد قاسم

برائے رابطہ :

گوجرانوالہ ایڈورٹائزر اردو بازار گوجرانوالہ

نام کتاب ________ حی علی الصلوٰۃ

طبع سوم ________ 2002

مصنف ________ خواجہ محمد قاسمؒ

برائے رابطہ ________ گوجرانوالہ ایڈورٹائزر اردو بازار

گوجرانوالہ 740294

قیمت ________ 200

مصنف کی کتب ملنے کے پتے

گرجاکھی کتب خانہ ،غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور	لاہور
مکتبہ قدوسیہ ،غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 7351124	لاہور
مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی	کراچی
دارالعلم ۔699۔ آب پارہ مارکیٹ اسلام آباد	اسلام آباد
مکتبہ ناصریہ حاجی آباد فیصل آباد	فیصل آباد
فاروقی کتب خانہ بوہڑ گیٹ ملتان	ملتان
جماعۃ الدعوہ الی القرآن والسنہ راولپنڈی	راولپنڈی
مرکز الدعوہ والارشاد ۔ طیبہ روڈ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ	گوجرانوالہ
سبحانی اکیڈمی اردو بازار لاہور	لاہور
مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور	لاہور
قرآن اکیڈمی اردو بازار لاہور	لاہور
مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ	گوجرانوالہ
جامعہ مسجد اقصیٰ اہلحدیث سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ	گوجرانوالہ
جامعہ مسجد صدیقیہ اہلحدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ	گوجرانوالہ
مکتبہ القرآن و الحدیث جنگی محلہ پشاور	پشاور
جامعۃ الاثریہ جہلم پشاور	پشاور
دارالمکتب رحمانیہ امین پورہ بازار فیصل آباد	فیصل آباد
مکتبہ رشیدیہ ، راجہ بازار ، راولپنڈی	راولپنڈی
مرکزی مسجد اہلحدیث G-7 اسلام آباد (راجہ فضل داد صاحب)	اسلام آباد
مکتبہ ثنائیہ جامعہ مسجد اہلحدیث 19 بلاک سرگودھا	سرگودھا
مکتبہ اہلحدیث غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور	لاہور

پتہ برائے خط وکتابت ورابطہ ۔ عاکف خواجہ 199بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ کتابچہ حضرت حافظ خواجہ محمد قاسم صاحب نے ترتیب دیا ہے' الحمدللہ نماز کے بعض ایسے پہلو جن کی بڑے بڑے علماء بھی بحث ضروری نہیں سمجھتے انہوں نے خوب وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس قسم کے نوجوان قلمی کام شروع کر رہے ہیں کیونکہ زبان سے تبلیغ کرنے کی نسبت قلم سے تبلیغ کرنا زیادہ موثر اور دیرپا ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ ایسے نوجوناں کو توفیق عنایت فرمائے کہ وہ قلمی ضرورت کو پورا کریں' میں بھی ان سے پورا پورا تعاون کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں بلکہ بعض اوقات نصف اور بعض اوقات پورا ایڈیشن ہم شائع کر کے مفت تقسیم کر دیتے ہیں۔ آپ قارئین حضرات کو بھی چاہئے اس کتاب کو خرید کو مفت تقسیم فرمائیں خواجہ صاحب کی کوشش دکانداری کرنا نہیں بلکہ تبلیغی سرکولیشن جاری رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ صاحب کو بھی توفیق عنایت فرمائے اور آپ حضرات کو بھی اس کار خیر میں شرکت کی توفیق دے۔

خالد گھرجاکھی

فہرست مضامین

بقایا صفحہ آئندہ سے کا

ان سے انکار بھی نہیں۔ تقریباً ہر بات کے جواب میں یہی ہے کہ میں نے جناب صوفی صاحب کی پوری بات نقل نہیں کی۔ پوری بات یوں ہے۔

میرے بھائی! اگر ہر بات کا یہی جواب دینا تھا تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ قارئین اصل کتاب ہی پڑھ لیتے۔ میں نے صفحات کے نمبر تو دے دیئے تھے باقی جو گالیاں انہوں نے ارشاد فرمائی ہیں بندہ انکا جواب دینے سے قاصر ہے۔ ممکن ہے یہ ان کے تصوف کا کوئی حصہ ہو۔ میں تو صرف یہ دعا ہی کر سکتا ہوں۔ اللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

محمد قاسم خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو غالب اور خلافِ سنت عمل کو مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر جو دوست بوجہ تقلید حنفیت کو راجح مرجوح کرنیکے عادی ہوں جنہیں شروع سے ہی سنت کو رد کر دینے کی تربیت دی گئی ہو یہ کتاب بھلا انہیں کیسے راس آسکتی تھی۔ انہوں نے فوراً اس کے خلاف جوابی کاروائی کی۔ خاکسار سے گستاخی یہ سرزد ہو گئی کہ حی علی الصلوٰۃ میں چند اقتباسات نماز مسنون کلاں سے بھی پیش کر دیئے۔ میرا یہ جرم ان کے ہاں ناقابل معافی قرار پایا۔ اور فیاض صاحب نے نہایت فیاضی کے ساتھ اس بندۂ ناچیز کو مغلظات سنا ڈالیں۔ مجھے ان کے یہ فقرے بہت پسند آئے۔ حالانکہ نماز مسنون کلاں صرف احناف کے مسلک پر مثبت دلائل سے مزین ہے اور غیر مقلد کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ ۔۔۔۔ "نماز مسنون کلاں کے اندر صرف مسلک احناف کے مثبت دلائل ہیں دوسرے مسلک والوں سے کوئی تعرض نہیں ہے" صـ۸

واقعی اہل حدیث کو غیر اہلحدیث کے اندرون خانہ سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اہلحدیث کا مسلک قرآن وسنت ہے جبکہ انکا مسلک ہدایہ اور قدوری ہے۔ مگر ظلم یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب کا نام مسنون رکھدیا ہے۔ یہ لیبل قابل اعتراض ہے اگر وہ سیدھی طرح اس کا نام نماز حنفی یا نماز کوفی رکھتے تو پھر ہمیں دخل در نامعقولات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حنفی نماز لکھ کر مسنون نام رکھنا صریحاً دھوکہ دہی کے زد میں آتا ہے اور معلوم ہے کہ سنت کا دفاع ہماری ذمہ داری ہے۔

پھر میں نے حی علی الصلوٰۃ میں نماز مسنون کے جو حوالے دیئے ہیں مجیب کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیّ علی الصلوٰۃ

اسلام میں نماز کا کیا مقام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو کس قدر محبوب ہے اس کا اندازہ اس کتاب میں دی جانے والی فہرست مضامین سے لگائیے۔ یعنی صبح کو نماز دوپہر کو نماز سہ پہر کو نماز شام کو نماز عشاء کو نماز سحر کو نماز چاشت کو نماز۔ حضر میں نماز۔ سفر میں نماز۔ صحت میں نماز بیماری میں نماز امن میں نماز جنگ میں نماز جمعہ کو نماز عید کو نماز۔ جنازہ پر نماز۔ فتح کی نماز۔ استخارہ کی نماز۔ استسقاء کی نماز۔ گرہن کی نماز۔ تسبیح کی نماز۔ طواف کی نماز۔ توبہ کی نماز۔ حاجت کی نماز تحیۃ الوضو کی نماز۔ تحیۃ المسجد کی نماز۔ نماز ہی نماز۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے مومن بندے حی علی الصلوٰۃ کی آسمانی اور روح پرور آواز پر لبیک کہتے ہوئے دربارِ خداوندی میں بار بار حاضری دیتے ہی رہا کریں۔

قرآن مجید اور حدیث شریف میں جس عمل کا سب سے زیادہ تذکرہ ہے اور جس کی سب سے زیادہ تاکید ہے اور جس کے چھوڑنے پر سب سے زیادہ وعید ہے وہ نماز ہے نماز کے موضوع پر کتابوں کی کمی بھی نہیں۔ وافر مقدار میں قدیم اور جدید لٹریچر دستیاب ہے۔ پھر خدا جانے نماز سے ہماری دلچسپی مجرمانہ حد تک کم کیوں ہے؟

بہت بڑی اکثریت نماز سے غافل ہے اور جو نمازی ہیں ان میں سے بھی بیشتر نماز کے مسائل سے آشنا نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طریقہ سے پڑھتے تھے۔ یعنی جس کو صفۃ الصلوٰۃ کہتے ہیں۔ اس کا ذکر عام طور پر میں نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ ماضی قریب میں اس موضوع پر متعدد نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً صلوٰۃ الرسول ؐ از مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔ صلوٰۃ النبی ؐ از مولانا خالد گھرجاکھی مدظلہ العالی صلوٰۃ المصطفٰے ؐ از مولانا محمد علی جانباز سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وغیرہ

خاکسار نے اس کتاب میں فرضی اور نفلی نمازوں سے متعلقہ وہ مسائل بیان کیے ہیں جو عام طور پر کتابوں میں بیان نہیں کیے جاتے۔ اور جن کی نمازیوں کو بہت جستجو رہتی ہے اور وہ آئے دن کرید کرید کر اپنے علمائے کرام سے دریافت کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اُردو کتابوں میں ایسے مسائل کم ہی زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں ان کا ذکر ملتا بھی ہے تو اس سے ان کی پوری طرح تشفی نہیں ہوتی اور وہ مزید تحقیق کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بندہ نے حتی الامکان اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

نیز اس کتاب کے مطالعہ سے آپ محسوس فرمائیں گے کہ حنفیہ سے ہمارا اختلاف صرف رفع یدین۔ آمین۔ فاتحہ خلف الامام وغیرہ چند مسائل پر ہی نہیں بلکہ آپ قدم قدم پر انہیں مسنون نماز سے اختلاف کرتا ہوا پائیں گے۔ ان کی نماز کو محمدی نماز کہنا بہت مشکل ہے اس کی بجائے اسے کوفی نماز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تقلید ان کی بہت بڑی کمزوری ہے یہ ہر مسئلے پر کوفے کی مُہر لگوانا ضروری تصور کرتے ہیں۔ چکڑالویوں کی طرح ڈنکے کی چوٹ تو نہیں البتہ الواب الحیل کی راہ سے احادیث نبویہ کا انکار کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ مخالف حدیث کو منسوخ سمجھنا یا کھینچ تان کر اسے اپنے مسلک کے مطابق ڈھالنے کا فن جاننا ان کے ہاں شیخ الحدیثی کہلاتا ہے۔ یہی ان کے علم کی معراج ہے۔ یہ الزام نہیں۔ ایک حقیقت ہے اور یہ ان کا باقاعدہ اصول ہے (دیکھیے اصول کرخی اصول نمبر ۲۹) اس کا کچھ عملی مظاہرہ آپ

اس کتاب میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے ۔ انشاءاللہ العزیز
عجیب بات ہے ہم احادیث صحیحہ کی رو سے ان سے مسائل میں اختلاف کریں تو متعصب اور گستاخ کہلائیں اور یہ خود مذاہب اربعہ کو حق اور منبوع جانیں اور پھر محض ازراہِ تقلید ائمہ ثلاثہ سے اختلاف کریں اور انصر اخاك ظالما کان او مظلوما کے جاہلی مفہوم کے مطابق فقہ حنفیہ کی جائز و ناجائز حمایت کریں تو یہ کارِ ثواب ہو ۔ تلك اذا قسمۃ ضیزی ۔
اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو فرقہ بندیوں سے ہٹ کر براہِ راست کتاب و سنن سے کسب فیض کی توفیق دے ۔ آمین
ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فرائض اور نوافل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب و ما تقرب الیّ عبدی بشئ احب الیّ مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سألنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ (عن ابی ھریرۃؓ بخاری ص۹۶۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے میرے دوست سے دشمنی رکھی۔ میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ اور نہیں قریب ہوتا میرا بندہ مجھ سے کسی عمل کے ساتھ جو میرے نزدیک محبوب تر ہو فرائض سے اور میرا بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعے بھی قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ سُنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو عطا کرتا ہوں پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا نمازی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوتے ہیں اور یہی اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ ان سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ سے جنگ مول

لینے کے برابر ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا نماز دو قسم کی ہوتی ہے فرضی اور نفلی۔

تعداد نماز فرضی از روئے قرآن

فرضی نمازیں پانچ ہیں۔ اشارۃً اس چیز کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً فرمایا: من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظہیرۃ ومن بعد صلوٰۃ العشاء (نور۔ ۵۸) اس آیت میں فجر اور عشاء کی صراحت ہے۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل (ھود۔ ۱۴) اس میں فجر، مغرب اور عشاء کا ذکر ہے۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس (بنی اسرائیل۔ ۷۸) اس سے ظہر کا وقت ثابت ہوتا ہے۔ سبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا (طٰہٰ۔ ۱۳۰) اس سے عصر کا ثبوت عیاں ہے۔ وغیرہ۔

تعداد نماز فرضی از روئے حدیث

تاہم حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمایا ہے: خمس صلوٰت فی الیوم واللیلۃ (عن طلحہؓ بن عبید اللہ بخاری صـ۱۱) رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں نیز فرمایا: خمس صلوٰات افترضھن اللہ تعالیٰ (عن عبادہ بن صامتؓ ابوداؤد وغیرہ بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب الصلوٰۃ) اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں۔

منکرین حدیث قرآن مجید سے فقط تین نمازیں ثابت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں قرآن مجید سے بالفرض پانچ نمازیں ثابت نہ ہوسکیں تو بھی اس سے ہمارے مسلک کو ضعف نہیں پہنچتا بلکہ تقویت پہنچتی ہے۔ ہم تو پہلے ہی کہتے ہیں قرآن مجید میں بہت سی تفصیلات نہیں ملتیں۔ حدیث پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں۔ قرآن مجید میں تو رکعتوں کی تعداد کا بھی ذکر نہیں۔ چکڑالویوں کو اگر اصرار ہو کہ قرآن مجید سے چونکہ تین ہی ثابت ہیں لہٰذا وہ تین

ہی پڑھیں گے تو ان کی مرضی ویسے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ پھر تو وہ قرآن مجید سے ایک نماز بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر صرف قرآن مجید کو پیش نظر رکھنا ہے اور صرف لغت کے ذریعے اسے سمجھنا ہے تو ہمیں کیا معلوم صلوٰۃ کیا ہوتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک اس کا ایک معنی چوتڑوں کو ہلانا بھی ہے۔ صرف قرآن مجید سے تو رکوع اور سجود کا مفہوم بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہت کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔

تعداد رکعات فرائض

کل سترہ رکعتیں ہیں۔ اس پر اُمت مسلمہ کا ہمیشہ ہی اتفاق رہا ہے۔ اس بارے میں کوئی باقاعدہ حدیث شاید نہ ملے لیکن عمل کا یہ تسلسل اور متفق علیہ تواتر حدیث سے ہرگز کم نہیں۔ بلکہ ضمناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فرضی رکعتوں کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے مثلاً

فجر کی رکعتیں کان یقرأ فی الرکعتین او احدھما ما بین الستین الی المأۃ (عن ابی برزۃ الاسلمی ۔ بخاری ص۱۰۶) آپؐ فجر کی دونوں یا ان دونوں میں سے ایک رکعت میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تلاوت فرماتے۔

ظہر و عصر کی رکعتیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ویسمعنا الآیۃ احیانا و یقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحۃ الکتاب (عن ابی قتادہ ۔ مسلم ج ۱ ص۱۸۵)

آپؐ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے اور کبھی کبھی ہمیں بھی کوئی آیت سنا دیتے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورہ

فاتحہ پڑھتے۔

مغرب کی رکعتیں والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلاث رکعات لا ینقص فی حضر ولا سفر۔

(ترمذی۔ باب التطوع فی السفر) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز سفر و حضر میں بلاکم وبیش تین رکعتیں پڑھیں۔

عشاء کی رکعتیں جابر بن سمرةؓ سے روایت ہے اہل کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عمرؓ سے شکایت لگائی حضرت عمرؓ نے انہیں ہٹا کر عمار بن یاسرؓ کو امیر کوفہ مقرر فرما دیا۔ اہل کوفہ نے یہاں تک کہا کہ حضرت سعد نماز بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بلا کر کہا لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نماز ٹھیک طرح نہیں پڑھاتے تھے تو انھوں نے جواب دیا خدا کی قسم میں انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاتا تھا اس میں کمی نہیں کرتا تھا۔ عشاء کی پہلی دو رکعتیں لمبی کرتا تھا اور پچھلی دو رکعتیں ہلکی پڑھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو اسحٰق تمہارے متعلق یہی حسنِ ظن ہے۔
(بخاری صہ ۱۰۴)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے اہل کوفہ شروع ہی سے سرکش تھے اور اوّل روز سے ہی انہیں سنت نبویؐ کے مطابق نماز پسند نہ تھی۔

نوافل

فرض نمازیں بس اتنی ہی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی نماز فرض یا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے اسلام کے بارے میں

سوال کیا تو آپ نے اسے پانچ نمازوں، رمضان شریف کے روزوں اور زکوٰۃ کے متعلق بتلایا۔ اس نے ہر حکم کے بارے میں پوچھا کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا لا الا ان تطوع۔ نہیں مگر یہ کہ تو بطور نفل ادا کرے۔ وہ آدمی یہ کہتے ہوئے واپس ہوا خدا کی قسم میں اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا تو آپؐ نے فرمایا افلح الرجل ان صدق۔ اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا (عن طلحہ بن عبید اللہ۔ بخاری ص۱۱ و مسلم ص۳۰)

معلوم ہوا جو آدمی نفلی عبادت نہ کرے اس پر کسی قسم کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ یاد رہے وہ ایک بڑے ثواب اور فضیلت سے محروم رہ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر یہ صحیح ہوئی تو بندہ کامیاب ہو جائے گا اگر یہ غلط ہوئی تو بندہ ناکام ہو جائے گا۔ اگر فرائض میں کچھ کمی محسوس ہوئی تو رب تعالیٰ فرمائے گا کیا میرے بندے کی کوئی نفلی عبادت ہے اس سے اس کی تلافی کر دو۔ پھر تمام اعمال اسی طریقہ پر ہوں گے۔ (ترمذی ج ۱ ص۳۱۸ ابو داؤد ج ۱ ص۲۲۳)

تعداد سُنن راتبہ

ارشاد نبویؐ ہے ما من عبد مسلم یصلی للہ کل یوم ثنتی عشرۃ رکعۃ غیر فریضۃ الا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔ (عن ام حبیبہؓ۔ مسلم ج ۱ ص۲۵۱) جو مسلمان بھی رضائے الٰہی کے لیے فرضوں کے علاوہ ہر روز بارہ رکعتیں نفل ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں حفظت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر رکعات رکعتین قبل الظہر ورکعتین بعدھا و رکعتین بعد المغرب فی بیتہ ورکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الصبح (بخاری ص۱۵۷) مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دس رکعتیں پڑھنا یاد ہے دو ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں، دو عشاء کے بعد اور دو صبح سے پہلے۔

ان دونوں حدیثوں میں دس اور بارہ کا جو فرق ہے وہ ظہر سے پہلی والی رکعتوں کے سلسلے میں ہے جس کی وضاحت عنقریب اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ۔

یاد رہے ان سنتوں کو سُنن مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔

فجر کی سُنتیں

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شئ من النوافل اشد تعاھدا منہ علیٰ رکعتی الفجر (بخاری ص۱۵۶ مسلم ص۲۵۱) نفلی نمازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فجر کی دو سنتوں کا خیال رکھتے تھے۔ نیز فرماتی ہیں نبی علیہ السلام نے فرمایا رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیھا (مسلم ص۲۵۱) فجر کی دو سنتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔

یہ سنتیں نماز فجر سے پہلے پڑھنی چاہئیں۔ اگر پہلے نہ پڑھی جا سکیں تو بعد میں پڑھ لینی چاہئیں۔ جیسا کہ قیس بن فہدؓ ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بعد میں پڑھنے کی اجازت دے دی تھی (ترمذی۔ بیہقی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ ابوداؤد) مگر اس اجازت کو عام عادت نہیں بنا لینا چاہیے۔ جیسا کہ ہم اہلحدیثوں میں رواج ہو گیا ہے مسئلہ اسی طرح رکھنا چاہیے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔

قیس بن فہدؓ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبویؐ میں لوگ عام طور پر

بعد میں فجر کی سنتیں نہیں پڑھتے تھے ۔ تبھی نبی علیہ السلام نے ان سے کہا مھلا یا قیس ٹھہرو اے قیس !

اگر جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو اس دوران میں سنتیں پڑھنے کا کوئی جواز نہیں ۔ اگر کوئی پڑھے گا تو وہ کالعدم سمجھی جائیں گی ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (عن ابی ھریرۃؓ مسلم ص۲۴۷) جب نماز کھڑی ہو جائے تو اُس فرضی نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں ۔

ابن بحینہؓ سے روایت ہے صبح کی نماز کھڑی ہونے لگی اقامت شروع تھی ۔ آپؐ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا اتصلی الصبح اربعا ۔ کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے ؟ (مسلم ص۲۴۷) اس سے معلوم ہوا جو شخص مثلاً فجر کی نماز ہوتے اپنی سنتیں پڑھتا ہے گویا وہ چار فرض پڑھتا ہے ۔ جو جائز نہیں ۔

صحیح مسلم ہی میں عبداللہ بن سرجس سے اگلی روایت یہ ہے صبح کی نماز ہو رہی تھی ۔ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور مسجد کے ایک کونے میں دو رکعتیں پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا بای الصلوٰتین اعتددت ۔ ابصلاتک وحدک ام بصلاتک معنا ۔ تم ان دونوں میں سے کونسی نماز کو شمار کرو گے ۔ اپنی اکیلی نماز کو یا ہمارے ساتھ والی نماز کو ۔

اس سے معلوم ہوا اگر فرضی جماعت کے ہوتے اپنی سنتیں پڑھنے لگ جائیں تو ان دونوں میں ایک ہی نماز شمار ہو گی یہ یا وہ ۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے لوگ اقامت سُن کر اپنی نماز پڑھنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اصلوٰتان معا ؟ کیا اکٹھی دو نمازیں کیا اکٹھی دو نمازیں ؟

یہ واقعہ نماز فجر سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں تھا۔ (مؤطا امام مالک ص۴۵)
مگر ان سب احادیث صحیحہ کے علی الرغم ہدایہ میں لکھا ہے ایک رکعت خواہ چلی بھی جائے تو بھی جماعت کے ہوتے سنتیں پڑھ لے (ص۱۱۱) بلکہ بعض کے نزدیک قعدہ میں شریک ہو جانے کا یقین ہو تو بھی سنتیں پڑھ لے (نماز مسنون از صوفی عبدالحمید صاحب سواتی دیوبندی)
حنفیہ کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا رکعتی الفجر (عن ابی ہریرۃؓ بیہقی ج ۲ ص۴۸۳) اقامت کے بعد سوائے فرضی نماز کے اور کوئی نماز نہیں مگر فجر کی سنتیں۔
حالانکہ خود امام بیہقیؒ نے فجر کی سنتوں کے استثناء کو بے اصل قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دو راوی ضعیف ہیں۔ (ایضاً)
۱۹۸۶ء میں سنی پبلیکیشنز لاہور (حنفیہ) کی طرف سے "نمازِ پیمبرؐ" نامی ایک کتاب لکھی گئی ہے جس کے مصنف کا نام شیخ محمد الیاس فیصل ہے اور جس کی مدح سرائی کرنے والوں میں مولانا محمد اسعد مدنی، مولانا محمد زاہد الحسینی، اور مولانا محمد مالک کاندھلوی کے نام نامی شامل ہیں۔ اس کتاب کے ص۲۳۸ اور ص۲۳۹ میں مجمع الزوائد اور طحاوی کے حوالے سے عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابوالدرداؓ وغیرہم کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ جماعت ہوتے فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تھے۔
خیال فرمائیے ایک طرف طبقہ اولیٰ کی کتابیں ہیں یعنی مؤطا امام مالک جس کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں امام شافعیؒ کا قول ہے یہ مؤطا کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور تمام اہلحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۱۳۳)

اور صحیحین یعنی بخاری و مسلم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں جتنی مرفوع متصل روایات ہیں وہ باتفاق محدثین قطعاً صحیح ہیں .... جو ان کی شان گھٹائے وہ بدعتی ہے اور مومنوں کے راستہ کے خلاف پیروی کرنے والا ہے (ایضاً ص ۱۳۴)

اور دوسری طرف طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں جن کے متعلق شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا صواب ثابت اور مقلوب سب کچھ شامل ہے مثلاً مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ کتب بیہقی۔ طحاوی۔ طبرانی وغیرہ (ایضاً ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵)

اِن کو اُن کے مقابلے میں پیش کرنا اور پھر تقریظات لکھنے والوں کا ان ہیرا پھیریوں پر اظہارِ مسرت کرنا انصاف کے خون سے ہولی کھیلنے کے مترادف ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر تم طبقہ اولی اور طبقہ ثالثہ کی کتابوں میں موازنہ کروگے تو تم ان میں بعد المشرقین پاؤگے (ایضاً ص ۱۳۴)

مگر حنفیہ کے ہاں حدیث کو پرکھنے کا اور ہی معیار ہے اگر کسی حدیث سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے چاہے وہ بالکل ضعیف کیوں نہ ہو۔ مگر یہ تکنیک اس کو صحیح کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہو تو یہ نباض ضرور اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال لیتے ہیں چاہے وہ بخاری و مسلم کی کیوں نہ ہو۔ ان کی سب کتابیں علم کیمیا کا مظہر معلوم ہوتی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی حنفیؒ لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جن کی انہوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا، ان کے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو کون شخص تھا؟ یہ ابو حنیفہؒ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت

کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں (سیرۃ النعمان حصہ اول صہ ۳۶)
کتنا ظلم ہے موطا امام مالک اور صحیح مسلم کی احادیث مبارکہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعت ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنے سے منع فرمائیں اور احناف کہیں کہ جائز ہیں کیونکہ طحاوی وغیرہ میں لکھا ہے کہ فلاں صحابہ کرام پڑھ لیتے تھے۔ سوائے انا للہ کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا۔

اگر نماز کے بعد سنتیں نہ پڑھی جاسکیں تو انہیں سورج نکلنے کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے من لم یصل رکعتی الفجر حتیٰ تطلع الشمس فلیصلھما (دارقطنی بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ا صہ ۳۲۶) جس نے سورج نکلنے کے بعد تک فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ اب پڑھ لے۔ مستدرک حاکم میں الفاظ اس طرح ہیں من نسی رکعتی الفجر فلیصلھما اذا طلعت الشمس (ج ا صہ ۳۰۷) فجر کی سنتیں بھول جائیں تو انہیں سورج نکلنے کے بعد پڑھ لے۔ چنانچہ موطا امام مالک (صہ ۴۵) میں بھی ہے ان عبد اللہ بن عمر فاتتہ رکعتا الفجر فقضاھما بعد ان طلعت الشمس۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی صبح کی سنتیں فوت ہو گئیں تو آپ نے انہیں سورج نکلنے کے بعد پڑھا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فجر کی سنتوں کی قضا جائز نہیں۔ نہ سورج نکلنے سے پہلے نہ سورج نکلنے کے بعد (ہدایہ صہ ۱۱۲)
آج کل کے غیر اہلحدیث دیوبندیوں کو شاید اپنے مسلک کی کماحقہ واقفیت نہیں ہوتی۔ اسی "نماز پیمبرؐ" نامی حنفی کتاب میں لکھا ہے پھر حکم نبوی کے مطابق سورج نکلنے کے بعد ان سنتوں کی قضا پڑھ لے۔ (صہ ۲۴۰)

سوال پیدا ہوتا ہے کیا پھر امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ حکم نبوی کے

خلاف ہے ؟ بینوا توجروا۔
البتہ ایک حیلہ ہے جس سے ان کے نزدیک فجر کی سنتوں کی قضا قبل از طلوع آفتاب بھی جائز ہو جاتی ہے ۔ کہتے ہیں فجر کی سنتیں شروع کر کے توڑ ڈالے پھر بے شک نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے پڑھ لے۔ (فتاوی عالمگیری ج ۶ کتاب الحیل صٓ ۳۹)
پنجابی محاورے کے مطابق یہ بازو گھما کر کان کو ہاتھ لگانے والی بات ہے ۔

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن (بخاری صٓ ۱۵۵) آپؐ فجر کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ لیٹ جاتے ۔
اس سے متصل اگلی روایت میں الفاظ یوں ہیں فان کنت مستیقظۃ حدثنی والا اضطجع حتی یوذن بالصلوٰۃ ۔ اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ اذان تک لیٹ جاتے ۔ حافظ ابن حزمؒ نے اس لیٹنے کو فرض قرار دیا ہے ۔ بعض نے بدعت بھی کہا ہے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ فرض ہے نہ بدعت بلکہ مستحب ہے ۔ بعض کا خیال ہے اگر رات کو تہجد پڑھے تب لیٹے ۔ بعض نے کہا اگر گھر میں سنتیں پڑھے تو تب لیٹے ۔ مگر ان شرائط کا ذکر حدیث شریف میں نہیں ہے ۔ ارشادِ نبویؐ ہے اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینہ ۔ (عن ابی ہریرہؓ ترمذی ج ۱ صٓ ۳۲۲ ابو داؤد صٓ ۱۸۸) صبح کی سنتیں پڑھ کر دائیں طرف لیٹ جایا کرو۔

ظہر سے پہلے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدع اربعا قبل الظہر و رکعتین قبل الغداۃ (بخاری ص۱۵۷) نبی علیہ السلام چار رکعتیں نماز ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے پڑھنا نہیں چھوڑتے تھے۔ اس سے پہلے آپ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں انھوں نے ظہر سے پہلے حضورؐ سے دو رکعتیں بیان فرمائی ہیں۔ دونوں روایتیں بخاری شریف کی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں والاولیٰ ان یحمل علیٰ حالین فکان یصلی تارۃ ثنتین وتارۃ یصلی اربعا۔ بہتر ہے کہ اسے دو حالتوں پر محمول کیا جائے یعنی آپؐ کبھی دو اور کبھی چار پڑھتے تھے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص۳۲۷)

ایک حدیث میں ہے اربع قبل الظہر لیس فیھن تسلیم تفتح لھن ابواب السماء (عن ابی ایوب۔ ابوداؤد ج ا ص۱۷۹) ظہر سے پہلے چار رکعتیں بیچ میں سلام پھیرے بغیر یعنی اکٹھی پڑھی جائیں تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

مگر اس کی سند میں ایک راوی عبیدہ کو امام ابوداؤد نے ضعیف فرمایا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث سے زوال کی سنتیں مراد لی ہیں۔ لیکن جیسا کہ مذکور ہوا ہے یہ روایت ضعیف ہے۔

ظہر کے بعد

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہر کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ نیز عن عبداللہ بن شقیق عن عائشہؓ مروی ہے کان یصلی فی بیتی الظہر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین (مسلم ج ا ص۲۵۲) آپؐ میرے گھر میں ظہر سے قبل چار رکعتیں پڑھتے پھر جماعت کے لیے

تشریف لے جاتے۔ پھر تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے۔

اور اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ سے بھی ایک مفصل روایت آتی ہے جس میں ظہر سے قبل چار اور بعد میں دو رکعتوں کا ذکر ہے (ترمذی ج ۱ صفحہ ۳۱۹)

حضرت اُم حبیبہؓ سے ایک روایت یوں بھی آتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حافظ علیٰ اربع رکعات قبل الظھر واربع بعدھا حرمہ اللہ علی النار (ترمذی ج ۱ صفحہ ۳۲۸) ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۱۷۹ نسائی صفحہ ۲۱۱) جس نے ظہر سے قبل چار اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اسے دوزخ پر حرام فرما دے گا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کے بعد چار رکعتیں پڑھنا زیادہ مستحب ہے (نیل الاوطار ج ۳ صفحہ ۱۹)

مغرب اور عشاء کے بعد حضرت عائشہ رضؓ (مسلم) حضرت ام حبیبہؓ (ترمذی) اور حضرت ابن عمرؓ (بخاری) کی تمام محولہ بالا روایتوں میں مغرب اور عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر ہے۔

سُنن غیر مؤکدہ

فجر کے وقت فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کے علاوہ طلوعِ آفتاب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نفل پڑھنا ثابت نہیں۔ حضرت حفصہؓ سے روایت ہے اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفتین (مسلم صفحہ ۲۵۰) پو پھٹنے کے بعد آپؐ صرف ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لاصلوٰۃ بعد الفجر الا سجدتین (ترمذی ج ا ص۳۲) طلوعِ فجر کے بعد سوائے صبح کی دو سنتوں کے کوئی نماز جائز نہیں ۔
مگر اس کی سند میں محمد بن حصین مجہول ہے ۔ اس مضمون کی ایک روایت عبد اللہ بن عمرو سے بھی آتی ہے (دار قطنی جزاوّل ص۴۱۹ ۔ قیام اللیل ص۱۳۰ مروزی) مگر اس میں بھی عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ضعیف ہے ۔ امام ترمذیؒ نے اس مسئلہ پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں اس میں تو اختلاف مشہور ہے چنانچہ حسن بصریؒ اور امام مالکؒ کوئی حرج نہیں سمجھتے (تلخیص بحوالہ تحفۃ الاحوزی) حضرت حفصہؓ والی روایت کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں اس میں کراہت کی کوئی دلیل نہیں ۔ اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ سوائے صبح کی دو سنتوں کے کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے ۔ منع آپ نے نہیں کیا ۔

عصر سے پہلے | بروایت ابن عمرؓ ارشاد نبویؐ ہے ۔ رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا (ترمذی ج ا ص۳۲۹ ابو داؤد ج ا ص۴۹۱) جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ۔
امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے ۔ اس میں ایک راوی محمد بن مسلم بن مہران کے متعلق تقریب التہذیب میں ہے صدوق یخطیٔ ۔
کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل العصر اربع رکعات (عن عاصم بن ضمرۃ عن علی ۔ ترمذی ص۳۲۸) آپ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے ۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن فرمایا ہے ۔ ص۱۰۲ پر بھی یہ حدیث بیان ہوئی ہے ۔ اُس مقام پر لکھا ہے کہ ابن مبارک نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ عاصم بن ضمرہ حضرت علیؓ سے روایت کرنے میں مختلف فیہ ہے (تحفۃ الاحوزی ص۱۰۲)
ابو داؤد میں عن عاصم بن ضمرہ عن علیؓ یوں مروی ہے کان یصلی

قبل العصر رکعتین (صد ۴۹) آپ عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔
اس کے تحت عون المعبود میں منذری کے حوالہ سے لکھا ہے یحییٰ بن معین وغیرہ نے عاصم بن ضمرہ کی توثیق کی ہے جب کہ بعضوں نے اس پر کلام کیا ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ سے بارہ کی تعداد میں سنن راتبہ کی روایت آئی ہے۔ (مسلم) ترمذی شریف میں ان کی روایت کے مطابق نبی علیہ السلام نے عشاء کے بعد دو رکعتیں بیان فرمائی۔ مگر نسائی میں حضرت ام حبیبہؓ سے جو بارہ کی روایت مروی ہے اس میں عشاء کے بعد کا ذکر نہیں بلکہ عصر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر کرکے بارہ کی تعداد پوری کی گئی ہے (صد ۲۹)

بہرحال ان روایتوں سے قبل از عصر دو یا چار رکعت کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

فجر اور عصر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس ولا صلوٰۃ بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس (عن ابی سعید الخدری مسلم صد ۲۷۵)
نماز عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک اور نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز جائز نہیں۔

معلوم ہوا ان نمازوں کے بعد نہ کوئی سنت مؤکدہ ہے اور نہ غیر مؤکدہ — مختار بن فلفل سے روایت ہے میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے عصر کے بعد نفل کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے حضرت عمرؓ عصر کے بعد نفل پڑھنے پر مارا کرتے تھے (مسلم صد ۲۷۸) ہاں اگر کوئی سبب پیدا ہو جائے تو وہ صورت مستثنیٰ ہے مفصل بحث اوقات مکروہہ میں آئے گی انشاء اللہ۔

مغرب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار مکرر ارشاد

فرمایا صلوا قبل صلوٰۃ المغرب قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ (عن عبداللہ المزنی بن مغفل۔ بخاری ص۱۵۷) نماز مغرب سے پہلے نفل پڑھو۔ آخر میں فرمایا جس کا جی چاہے۔ مقصد یہ تھا لوگ اسے سنت (مؤکدہ) نہ بنالیں۔

عبداللہ بن مغفل ہی سے ایک روایت اس طرح ہے۔

بین کل اذانین صلوٰۃ قالھا ثلاثا قال فی الثالثۃ لمن شاء (مسلم ج ۱ ص۲۷۸) ہر دو اذانوں (یعنی اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے۔ تین بار کہہ کر ارشاد فرمایا جس کا جی چاہے۔

مختار بن فلفل سے روایت ہے مجھے انس بن مالک رض نے بتلایا کہ ہم نبی علیہ السلام کے عہد میں سورج ڈوبنے کے بعد نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے پوچھا کیا آنحضرت ص بھی پڑھتے تھے تو کہنے لگے کان یرانا نصلیھا فلم یامرنا ولم ینھنا (مسلم ص۲۷۸) آپ ہمیں پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے۔ نہ حکم دیتے تھے اور نہ اس سے منع کرتے تھے۔

مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے عقبہ بن عامر رض سے کہا ابو تمیم پہ تعجب ہے کہ وہ قبل از نماز مغرب دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ عقبہ نے کہا ہم خود حضور ص کے زمانے میں پڑھتے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اب کیا رکاوٹ ہے تو کہنے لگے " مصروفیت " (بخاری ص۱۵۸)

حضرت انس رض فرماتے ہیں ہم مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی اذان کہتا، لوگ ستونوں کی طرف جاتے اور دو رکعتیں پڑھتے۔ یہاں تک کہ کسی نئے آنے والے کو خیال گزرتا شاید جماعت ہو چکی ہے۔ کیونکہ بہت کثرت سے لوگ نفل پڑھتے تھے۔ (مسلم ص۲۷۸)

بلکہ ابن حبان ج ۴ ص۵۹ میں عن عبداللہ بن مغفل ایک روایت یوں بھی آتی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی قبل المغرب رکعتین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھیں۔

اس کے تحت صاحب سبل السلام لکھتے ہیں فثبت شرعیتھا بالقول والعمل (ج ۲ صہ) نبی علیہ السلام کے قول اور عمل سے ان نفلوں کا مسنون ہونا ثابت ہوگیا۔

اوّل الذکر تین حدیثیں ابوداؤد میں بھی موجود ہیں۔ مگر باب کے آخر میں ایک روایت یوں بیان ہوئی ہے۔ سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھما ورخص فی الرکعتین بعد العصر (ابوداؤد ج ۱ صہ ۴۹۵) حضرت ابن عمرؓ سے قبل از نماز مغرب دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں سوال ہوا تو کہا میں نے نبی علیہ السلام کے زمانے میں یہ کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ البتہ انہوں نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی۔

اس روایت کو بعض نے صحیح کہا ہے اور بعض نے اسے شعیب کا وہم قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں سندہ لا یصح لانہ عن ابی شعیب او شعیب ولا یدری من ھو (بحوالہ عون المعبود صہ ۴۹۵) اس کی سند صحیح نہیں اس لیے یہ ابوشعیب یا شعیب سے مروی ہے اور نہیں معلوم یہ کون تھا۔

افسوس کہ حنفیہ نے اس مختلف فیہ روایت کو صحیحین کی روایات پر ترجیح دے دی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے حضرت ابن عمرؓ کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو جیسے انھیں صلوٰۃ الضحیٰ کا علم بھی نہیں تھا (بخاری صہ ۱۵۷) حالانکہ یہ حضورؐ سے ثابت ہے (بخاری صہ ۱۵۷) خود علامہ عینی حنفی اُس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ عدم رؤیتہ ابن عمر لا یستلزم عدم الوقوع فی نفس الامر اویکون المراد عن نفی ابن عمر نفی المداومۃ لا نفی الوقوع اصلا (بحوالہ حاشیہ بخاری صہ ۱۵۷) ابن عمرؓ

کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع صلوٰۃ الضحیٰ نہیں پڑھی گئی یا ابن عمرؓ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس پہ مداومت نہیں تھی۔

صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں: سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی اذان جب ہوتی ہے تو اس وقت دو رکعت نماز نفل پڑھنا جائز اور مباح ہے۔ البتہ سنت یا مستحب نہیں۔ اس لیے جمہور کا اس پر عمل نہیں رہا۔ البتہ پڑھنے والے پر نکیر نہ کیا جائے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اور احناف کے نزدیک صرف غیر اولیٰ ہے (نماز مسنون ص۵۵۶)

مغرب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من صلی بعد المغرب قبل ان یتکلم رکعتین وفی روایۃ اربع رکعات رفعت صلاتہ فی علیین (عن مکحول - رزین - بحوالہ مشکوٰۃ باب السنن و فضائلھا) جو شخص مغرب کی نماز کے بعد گفتگو کرنے سے پہلے دو اور ایک روایت کے مطابق چار رکعتیں پڑھے گا اس کی نماز علیین میں پہنچائی جائے گی۔ یہ روایت مرسل ہے۔

ارشاد فرمایا من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن لہ بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ (عن ابی ہریرۃ ترمذی ج ۱ ص۳۳) جس نے مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں اور اس دوران میں کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالا تو یہ چھ رکعتیں بارہ برس کی عبادت کے برابر قرار دے دی جائیں گی۔

اس روایت میں عمر بن خثعم راوی بہت ضعیف ہے۔

ایک روایت میں فرمایا من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (عن عائشۃ ترمذی ص۳۳) جس نے مغرب کی نماز کے بعد بیس رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا گھر بنائے گا ـــــ اس میں ایک راوی یعقوب کذاب ہے۔

مغرب اور عشاء کے درمیان

قیام اللیل مروزی ص۵۷ و ص۵۸ اور نیل الاوطار ج ۳ ص۵۸ تا ص۶۰ میں مذکورہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن منکدر سے مروی ایک مرسل روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صلی ما بین المغرب والعشاء فانھا من صلوٰۃ الاوابین (قیام اللیل ص۵۷) جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھی تو وہ نماز اوابین میں سے ہے۔ بلکہ حضرت انس سے مروی ہے کہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع (السجدہ - ۱۶) کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون۔ (الذاریات ۱۷) اور ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ واقوم قیلا۔ (المزمل ۶) جو آیات ہیں یہ اسی وقت کی نماز کے بارے میں ہے۔ (قیام اللیل ص۵۶۔ بیہقی ج ۳ ص۱۹) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں والاحادیث وان کان اکثرھا ضعیفۃ فھی منتھضۃ بمجموعھا لاسیما فی فضائل الاعمال (نیل الاوطار ج ۳ ص۶۰) ان میں سے اکثر حدیثیں گو ضعیف ہیں۔ تاہم مل کر کچھ طاقت بن جاتی ہے۔ بالخصوص فضائل اعمال میں۔

عشاء سے پہلے

عشاء سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کا صحیح ثبوت نہیں ملتا۔ سوائے اس عام حدیث کے جو سب نمازوں کو شامل ہے۔ یعنی بین کل اذانین صلوٰۃ (بخاری ص۸۷ مسلم ص۲۷۸)

ہر دو اذانوں (یعنی اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے۔ با صحابہ کرام کے بارے میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کانوا یستحبون اربع رکعات قبل العشاء الاخرۃ (قیام اللیل ص۵۸) کہ وہ عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

عشاء کے بعد

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علیّ الا صلی اربع رکعات او ست رکعات (ابوداؤد ص۵۰۲) نبی علیہ السلام جب بھی عشاء پڑھ کر میرے گھر میں تشریف لائے تو آپؐ نے چار یا چھ رکعتیں پڑھیں۔

دیگر تمام روایتوں میں عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ صرف اس روایت میں چار یا چھ کا ذکر ہے۔ بقول ملا علی قاری حنفیؒ مؤکدہ دو ہی ہیں۔ (بحوالہ عون المعبود) یعنی باقی دو یا چار مستحب ہیں۔

تہجد عائشہ صدیقہ رض قیام نبویؐ کے بارے میں فرماتی ہیں۔ سبع وتسع واحدی عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر (بخاری ص۱۵۳)

یہ سات یا نو یا گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں علاوہ فجر کی دو سنتوں کے۔

حضرت عائشہ رض ہی سے مروی اگلی روایت میں یہ الفاظ ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ منھا الوتر ورکعتا الفجر۔ آپؐ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے سمیت وتر اور صبح کی دو سنتوں کے۔

تراویح ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف رض نے حضرت عائشہ رض سے نبی علیہ السلام کے قیام رمضان کے بارے میں دریافت کیا تو

جواب دیا ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ (بخاری ص۱۵۴) آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سائب بن یزید کہتے ہیں امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ قال وکان القاری یقرئ بالمئین حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر۔ (مؤطا امام مالک ص۴۰) حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا۔ قاری صاحب سو آیتوں والی سورتیں پڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ لمبے قیام کی وجہ سے ہمیں لاٹھیوں کا سہارا لینا پڑتا اور ہم فجر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

صوفی عبدالحمید صاحب حنفی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ اس حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہ حالت ابتدا میں تھی جب کہ رکعات کم ہوتی تھیں اور قرأۃ زیادہ۔ (نماز مسنون ص۶۰۲) ماشاء اللہ۔

اور یزید بن رومان کہتے ہیں کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ (موطا امام مالک ص۴۰) حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ ۲۳ رکعتیں پڑھتے تھے۔

ممکن ہے اپنے طور پر کچھ لوگوں نے ۲۳ رکعتیں پڑھی ہوں تاہم یہ روایت صحیح بھی نہیں۔ کیونکہ یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا .... حضرت عمرؓ کا سنِ شہادت ۲۳ ہجری ہے اور یزید بن رومان کا سنہ وفات ۱۳۰ ہجری ہے۔

امام بیہقی سنن کبریٰ میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر تفرد بہ ابو شیبہ ابراهیم بن عثمان العبسی

وھو ضعیف (ج ۲ طبع بیروت ص۴۹٦) نبی علیہ السلام ماہِ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اس میں ابو شیبہ کوفی منفرد اور ضعیف ہے۔

اس روایت کے متعلق امام زیلعی حنفی فرماتے ہیں ھو متفق علیٰ ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح الخ۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص۱۵۳) اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عدی نے اسے کامل میں کمزور قرار دیا ہے۔ پھر یہ (حضرت عائشہ رضہ کی مذکورہ بالا) صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔

حنفیہ کے پاس بس یہی ایک اکلوتی دلیل ہے جس کے گرد ان کی بیس تراویح والا افسانہ گھومتا ہے۔ میں حیران ہوں ایک غیر اہلحدیث عالم اپنی کتاب میں ضعیف اور بے سند اقوال درج کرنے کے بعد آخر میں اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں "اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے تاہم مذکورہ بالا صحابہ وتابعین کے بیس رکعت پر عملی اجماع سے اس کی بنیاد صحیح ثابت ہوتی ہے (نماز مدلل ص۱۷۰ از مولانا فیض احمد صاحب گکروی) یعنی ہونا تو یہ چاہیے کہ حدیث سے اقوال کو تقویت پہنچائی جائے مگر یہ بے سند اقوال اور جعلی اجماع سے متفق علیہ ضعیف روایت کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

غیر اہلحدیث حضرات عوام الناس کو اس مغالطے میں بھی ڈالتے رہتے ہیں کہ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے۔ تہجد بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت پڑھتے تھے مگر تراویح بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس وہم کا ازالہ حضرت عائشہ رضہ اور سائب بن یزید کی روایتوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ابوسلمہ نے عائشہ صدیقہ سے پوچھا ہی قیام رمضان کے بارے میں تھا اور آپ نے سوال کا

مفہوم سمجھ کر ہی یہ جواب دیا تھا کہ آپ کی نماز رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

ابو سلمہ کا قیام رمضان کے بارے میں پوچھنا حنفیہ کے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ اس وضاحت سے ان کا بیس منزلہ محل زمین بوس ہو جاتا ہے چنانچہ اب اس کا بندوبست انھوں نے یہ کیا ہے کہ بخاری شریف کے مترجم نسخوں کو فی رمضان کے الفاظ حذف کر کے چھاپنا شروع کر دیا ہے۔ مثلاً محمد سعید اینڈ سنز کراچی کی چھپی ہوئی بخاری شریف ص۱۴۷

یہ ان کی حدیثی خدمات ہیں۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظاً مما ذکروا بہ (المائدہ - ۱۳)

اور سائب بن یزید کا یہ کہنا کہ ہم فجر کے قریب فارغ ہوتے تھے بھی اس بات کی تردید کے لیے کافی ہے کہ تراویح تہجد سے الگ کسی شئی کا نام ہے بلکہ انہی کے علمائے کرام مثلاً انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں لا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلی التراویح والتہجد علیحدۃ فی رمضان (العرف الشذی ج ۱ ص۱۶۶)

"اس امر کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ آپؐ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ آپؐ نے تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھی ہوں"۔ نیز فرماتے ہیں المختار عندی انہما واحد اذا تقدمت سمیت باسم التراویح واذا تاخرت باسم التہجد۔ (فیض الباری ج ۲ ص۴۲) میں یہ سمجھتا ہوں تہجد اور تراویح ایک ہی چیز ہے۔ صرف بات یہ ہے اگر جلدی پڑھ لی جائے تو اسے تراویح کہہ دیتے ہیں اور اگر دیر سے پڑھی جائے تو اسے تہجد کہتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام حنفیؒ فرماتے ہیں فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان

سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ (فتح القدیر ج ا صفحہ ۳) اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعتیں ہی ہیں۔

مُلّا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ (مرقاۃ ج ۳ صفحہ ۱۹۴) تراویح یقیناً گیارہ رکعت ہی سنت ہیں۔

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ حنفی فرماتے ہیں۔ کان السلف فی زمان عمر بن عبد العزیز یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ فقصد اللتشبیہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ما ثبت بالسنۃ) حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے زمانے میں سلف صالحین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

محترم قاضی شمس الدین صاحبؒ تراویح کے متعلق فرماتے ہیں مجھے نہ آٹھ کی سنیت سے انکار ہے اور نہ عملاً اس کے ترک کو مستحسن سمجھتا ہوں اور نہ ہی حتی المقدور ان کو ترک کرتا ہوں اور نہ کسی کو ترک کرنے کی تلقین کرتا ہوں اور نہ ہی میری جماعت حنفیہ کرام آٹھ کی سنیت کے منکر یا تارک ہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت سنت ہیں سنت ہیں۔ (القول الفصیح صفحہ ۵)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ کو تین روز با جماعت تراویح پڑھائی تھیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بعد میں کوئی تہجد نہیں پڑھی۔ آخری دن (۲۷ ویں شب) کے متعلق آتا ہے فقام بنا حتی تخوفنا الفلاح (ترمذی ج ۲ صفحہ ۳۳) آپ نے ہمیں نماز (تراویح) پڑھائی یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ پیدا ہو گیا کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے۔

علامہ عینی حنفیؒ فرماتے ہیں فان قلت لم تبین فی الروایات المذکورۃ عدد ھذہ الصلوٰۃ التی صلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیال قلت روی ابن خزیمۃ و ابن حبان

من حدیث جابرؓ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر (عمدۃ القاری شرح بخاری طبع بیروت ج ۷ ص۱۷۷) اگر تم کہو تین راتوں میں پڑھی گئی تراویح نبویؐ کی تعداد ان روایات میں مذکور نہیں تو میں کہوں گا ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں آٹھ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں۔ تمام روایات کو جمع کرنے سے جو چیز حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے خود جماعت کے ساتھ رمضان میں جو نماز پڑھائی وہ اوّل وقت تھی نہ کہ آخر وقت میں اور وہ آٹھ رکعتیں تھیں نہ کہ بیس۔ اگرچہ ایک روایت بیس کی بھی ہے مگر وہ آٹھ والی روایت کی بہ نسبت ضعیف ہے (رسائل و مسائل حصہ ۲ ص۲۱۳)

اصاغر احناف کو (جماعت اسلامی سمیت) کم از کم اپنے ہی اکابر احناف کی ان تصریحات پہ غور کر لینا چاہیے۔

حنفیہ ایک بہت بڑی دلیل یہ دیا کرتے ہیں کہ حرمین شریفین میں بیس تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ عرض ہے کہ مسئلہ یہ نہیں کہ جائز کتنی ہیں کوئی سو بھی پڑھے تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی پڑھتے تھے۔ اور ثابت ہو گیا کہ آپؐ وتروں سمیت گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ اگر حنفیہ مکے اور مدینے کے عمل کو حجت سمجھنے میں مخلص اور سنجیدہ ہیں تو زہے قسمت۔ مگر بات یہ ہے کہ وہاں تو آمین بالجہر بھی گونجتی ہے۔ رفع یدین بھی ہوتی ہے۔ سینوں پہ ہاتھ بھی باندھے جاتے ہیں اور دُعائے قنوت بھی باآواز بلند پڑھی جاتی ہے وغیرہ۔ تو بسم اللہ کیجیے نا۔

مسئلہ ہذا پہ تفصیل کے لیے دیکھیے محترم حافظ عبدالمنان صاحب نورپوری کی کتاب تعداد تراویح۔ اور مولانا محمد رفیق سلفی صاحب خطیب راہوالی

کی کتاب تراویح صرف آٹھ ہیں۔

تہجّد کا وقت

رات کی نفلی عبادت کو اللہ تعالےٰ نے تہجد بھی فرمایا ہے (بنی اسرائیل ۷۹) قیام اللیل بھی فرمایا ہے (المزمل - ۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وتر کا نام بھی دیا ہے (صحیحین)
رمضان المبارک میں یہی عبادت قیام رمضان کہلاتی ہے (صحیحین) جبکہ محدثین اسے تراویح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں (مثلاً بخاری ص۲۶۹۔ مسلم ص۲۶۵)

قیام اللیل کے لیے بہترین وقت رات کا پچھلا پہر ہے۔ارشاد نبوی ہے
ینزل ربنا تبارك و تعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ عن ابی ھریرہ (بخاری ص۱۵۳ مسلم ص۲۵۸) اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات تیسرے پہر آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ کو پکارے میں اس کے لیے قبول کروں کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے بخش دوں۔

چنانچہ حضورؐ کا عام معمول بھی یہی تھا۔حضرت عائشہؓ ایک سوال کے جواب میں فرماتی ہیں کان ینام اولہ ویقوم آخرہ فیصلی ثم یرجع الیٰ فراشہ فاذا اذن المؤذن وثب (بخاری ص۱۵۴) آپ رات کو پہلے حصے میں آرام فرماتے اور آخری حصے میں اٹھ کر نوافل ادا فرماتے پھر بستر پر دراز ہو جاتے اذان سن کر آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے۔

عبدالرحمٰن بن عبد القاری سے روایت ہے خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط فقال عمر انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاریٔ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اُخری والناس یصلون بصلوٰۃ قارئھم قال عمر نعم البدعۃ ھذہ والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ (بخاری ص۲۶۹) میں ماہِ رمضان کی ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ لوگ مختلف ٹکڑیوں میں کچھ اکیلے اکیلے اور کچھ باجماعت نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے کہا میرا ارادہ ہے کہ ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو بہت بہتر رہے۔ چنانچہ آپؓ نے ان سب کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں نوافل پڑھنے پر جمع فرما دیا۔ پھر میں ایک رات آپ کے ساتھ نکلا۔ دیکھا کہ سب لوگ ایک قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اچھی جدت ہے۔ اور پچھلی رات کا قیام جس سے تم سو جاتے ہو وہ افضل ہے اس اوّل رات کے قیام سے جو تم کرتے ہو۔

اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ رات پچھلے پہر کی عبادت زیادہ افضل ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ پہلے پہر پڑھا کرتے تھے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ تراویح باجماعت کے موجد نہیں ہیں۔ اس سے متصل اگلی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز باجماعت تراویح پڑھائی (عن عائشہؓ بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح ص۲۶۹) اور صحابہ کرامؓ بھی پڑھتے چلے آ رہے تھے حضرت عمرؓ نے صرف اتنا کیا کہ لوگ جو متفرق طور پر اکیلے اکیلے یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں

کی صورت میں تراویح پڑھا کرتے تھے انہیں ایک جماعت کی شکل میں یک جا کر دیا اور اس اجتماعیت کو آپؓ نے فرمایا یہ اچھی بدعت (طریقہ) ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں جو قابل اعتراض ہو۔ بلکہ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے جنہیں قرآن مجید نہ آتا ہو وہ بھی قیام اللیل کی سعادتوں سے فیضیاب ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا رات کے پہلے حصے میں قیام اللیل کرنا کسی غلطی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ نبی علیہ السلام کی طرف سے انہیں باقاعدہ اس بات کی اجازت تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوٰۃ العشاء ..... الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ یسلم بین کل رکعتین و یوتر بواحدۃ (مسلم ص۲۵۴) نبی علیہ السلام عشاء سے فارغ ہو کر فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے تھے آپؐ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور ایک وتر پڑھتے۔ اس سے ثابت ہوا قیام اللیل کا وقت عشاء کے بعد ساری رات ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کل اللیل اوتر رسول اللّٰہ و انتھی وترہ الی السحر (بخاری ص۱۳۶) نبی علیہ السلام رات کے ہر حصے میں وتر پڑھ لیتے تھے۔ آخر میں آپ کا عمل پچھلی رات تھا فرماتی ہیں من کل اللیل قد اوتر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اوّل اللیل و اوسطہ و آخرہ فانتھیٰ وترہ الی السحر (مسلم ص۲۵۵) نبی علیہ السلام رات کے ہر حصے میں وتر پڑھ لیتے تھے اوّل رات بھی درمیان رات بھی اور آخر رات بھی۔ آخر عمر میں سحری کے وقت پڑھتے تھے۔

غضیف بن حارث سے روایت ہے میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا نبی علیہ السلام رات کے اوّل حصے میں وتر پڑھتے تھے یا آخری حصے میں تو فرمایا کبھی اوّل حصے میں کبھی آخری حصے میں تو میں نے کہا اللّٰہ اکبر

الحمد للہ الذی جعل فی الامر سعۃ - اللہ اکبر اللہ کا شکر ہے جس نے دین میں آسانی رکھی ہے (ابو داؤد - بحوالہ مشکوٰۃ باب الوتر)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے ہم نے نبی علیہ السلام کے ساتھ روزے رکھے - آپؐ نے ہمیں نوافل نہ پڑھائے البتہ ۲۳ ویں رات کو آپؐ نے ہمیں تہائی رات گذرنے تک قیام کرایا پھر اگلی رات چھوڑ کر ۲۵ ویں رات کو آپ نے ہمیں آدھی رات گذرنے تک قیام کرایا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہمیں ساری رات قیام کرائیں - تو فرمایا امام کے ساتھ باجماعت (فرض) نماز پڑھنے سے ساری رات کے قیام کا ثواب مل جاتا ہے پھر ایک رات ناغہ کر کے ۲۷ ویں شب کو آپؐ نے ہمیں نماز پڑھائی اس رات آپؐ نے اپنے اہل و عیال کو بھی بلا لیا اور اتنی دیر تک قیام کرایا کہ ہمیں ڈر پیدا ہو گیا کہیں سحری کھانے کا وقت نہ گذر جائے (ترمذی ج ۲، صـ۷۳) اس سے بھی ثابت ہوا جس رمضان شریف میں آپؐ نے تین روز باجماعت تراویح پڑھائی تھی وہ تین مختلف اوقات میں تھی -

آپؐ کا ارشاد گرامی ہے من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ (مسلم شریف صـ۲۵۸) جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ پچھلی رات نہیں اٹھے گا وہ پہلی رات وتر پڑھ لے -

بلکہ ایک روایت میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر تشریف لانے کا وقت ہی یہ بیان ہوا ہے کہ جب رات کا پہلا تہائی حصہ گذر جائے (عن ابی سعید وابی ہریرہ - مسلم صـ۲۵۸)

ماہِ رمضان میں لوگ اکثر یہ مسئلہ پوچھتے ہیں اگر کوئی شخص رات کے پہلے حصے میں قیام کر چکا ہو تو کیا وہ پچھلے حصے میں بھی قیام کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل کر سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی رات کے مختلف حصوں میں قیام کرنا ثابت ہے - چنانچہ حضرت ام سلیمؓ

فرماتی ہیں کان یصلی ثم ینام قدر ما صلی ثم یصلی قدر ما نام ثم ینام قدر ما صلی (ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ نسائی ص۱۹۴) آپ نماز پڑھتے پھر نماز کی مقدار کے برابر سو جاتے پھر سونے کی مقدار کے برابر نماز پڑھتے پھر نماز کی مقدار کے برابر سو جاتے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تین بار بیدار ہو کر قیام فرمایا (عن حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف ۔ نسائی ص۱۹۴)

باقی یہ بات دریافت طلب رہ جاتی ہے دوبارہ قیام کرنے سے اگر نماز گیارہ رکعت سے بڑھ جائے تو کوئی حرج تو نہیں ۔ سو گزارش ہے کہ کوئی حرج نہیں ۔ گیارہ رکعت پڑھنا یقیناً افضل ہیں ۔ حضورؐ کی سنت ہیں ۔ جہاں تک اس سے زیادہ کا تعلق ہے تو اس کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف ہی نہیں لوگوں نے ۴۱ تک پڑھی ہیں ۔ (ترمذی ج ۲ ص۷۳) یہ نفلی عبادت ہی تو ہے ۔

وتر ایک رکعت ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الوتر رکعۃ من آخر اللیل (عن ابن عمرؓ و ابن عباس ۔ مسلم ج ۱ ص۲۵۷) وتر نام ہے ایک رکعت کا آخر رات میں ۔

آپؐ نے فرمایا صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توتر لک ما قد صلیت (عن ابن عمر بخاری ص۱۳۵) رات کی نماز دو دو رکعت ہے ۔ جب فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو ۔ جس سے تمہاری ساری نماز وتر ہو جائے گی ۔ مسند احمد میں مثنیٰ مثنیٰ کے آگے تسلم فی کل رکعتین کے الفاظ بھی ہیں یعنی ہر دو رکعت کے بعد

سلام پھیرو (ج ۲ ص۶۷)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوٰۃ العشاء وھی التی یدعو الناس العتمۃ الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ یسلم بین کل رکعتین و یوتر بواحدۃ (مسلم ص۲۵۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت پڑھتے اور ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے اور ایک وتر پڑھتے۔

ایک روایت اس طرح ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ و یوتر برکعۃ (عن ابن عمرؓ بخاری ص۱۳۶ مسلم ص۲۵۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو دو کر کے نفل پڑھتے اور ایک وتر پڑھتے۔

صحیحین کی ان قولی اور فعلی احادیث سے معلوم ہوا کہ وتر اصل میں ایک رکعت ہی ہے۔ باقی یہ نمازی کی مرضی ہے کہ وہ اس کے ساتھ دو یا چار یا چھ یا آٹھ رکعت نفل ملا لے یا کچھ بھی نہ ملائے۔ کیونکہ تہجد کے متعلق خصوصی ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اُمت پر یہ ضروری نہیں ہے۔ ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک۔ بنی اسرائیل ۷۹) اور رات کو تہجد پڑھیے جو آپؐ کے لیے نفل ہے۔

آپ کا ارشادِ گرامی ہے من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل (عن ابی ایوب الانصاری۔ ابوداؤد ص۵۳۵) جس کا جی چاہے پانچ وتر پڑھے جس کا جی چاہے تین وتر پڑھے اور جس کا جی چاہے ایک وتر پڑھے۔

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے اوتر معاویۃ بعد العشاء برکعۃ وعندہ مولیٰ لابن عباس فاتی ابن عباس فقال دعہ فانہ قد صحب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ص۵۳۱) حضرت معاویہؓ نے عشاء کی نماز کے بعد ایک وتر پڑھا - مولیٰ ابن عباس (یعنی ابن کریب) نے حضرت ابن عباسؓ سے بات کی تو انہوں نے فرمایا ان کی بات نہ کرو یہ حضورؐ کے صحابی ہیں -

اگلی روایت میں یہ الفاظ ہیں ھل لك فی امیرالمومنین معاویۃ فانہ ما اوتر الا بواحدۃ قال اصاب انہ فقیہ ـــــ امیرالمومنین معاویہؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے انھوں نے صرف ایک ہی وتر پڑھا ہے تو ابن عباسؓ نے فرمایا انھوں نے ٹھیک کیا ہے - بے شک وہ فقیہ ہیں -

ایک وتر کے قائلین کی فہرست ملاحظہ ہو حضرت ابوبکرؓ - حضرت عمرؓ - حضرت عثمانؓ - حضرت علیؓ - حضرت سعدؓ بن ابی وقاص - حضرت معاذؓ بن جبل - حضرت ابی بن کعبؓ - حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ - حضرت ابوالدرداءؓ - حضرت حذیفہؓ - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ - حضرت عبداللہ بن عمرؓ - حضرت عبداللہ بن عباسؓ - حضرت معاویہؓ - حضرت تمیم الداریؓ - حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت ابوہریرہؓ - حضرت فضالہ بن عبید - حضرت عبداللہ بن زبیرؓ - اور حضرت معاذ بن الحرث القاری رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین ـــــ اور سالم بن عبداللہ بن عمر - عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ - حسن بصری - محمد بن سیرین - عطا بن رباح - عقبہ بن عبدالغافر - سعید بن جبیر - نافع بن جبیر بن مطعم - جابر بن زید - زہری - ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن وغیرہم رحمھم اللہ نیز امام مالک امام شافعی - امام اوزاعی - امام احمد - امام اسحٰق - امام ابو ثور - امام داؤد - اور حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اجمعین (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۵)

امام مالکؒ کے متعلق اشاعرض ہے کہ وہ وتر کی ایک رکعت الگ پڑھنے کے قائل ضرور ہیں مگر پہلے دو رکعتیں الگ پڑھنے کے بعد -

حضرت عائشہؓ سے جو روایت قیام رمضان کے بارے میں بیان ہوئی

ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ثم یصلی ثلاثا (بخاری ص۱۵۴) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وتر تین بھی جائز ہیں۔ ایک روایت حنفیہ کی مہربانی سے حضرت عائشہ رض سے اس طرح آتی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن (مستدرک حاکم ج ۱ ص۳۰۴ مطبوعہ احناف) آپؐ تین وتر پڑھتے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے۔

مگر خود علامہ بنوری حنفی رح انور شاہ کشمیری رح کے حوالہ سے بتلاتے ہیں کہ مستدرک حاکم کے مختلف تین نسخوں میں لفظ لا یسلم نہیں بلکہ لا یقعد ہے (شرح ابواب الوتر جامع ترمذی للبنوری ص۲۶) اس بات کا مطلب یہ ہے نبی علیہ السلام صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ جیسے اہلحدیث کا عمل ہے۔

حضرت قتادہ رض سے بھی مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یقعد الا فی آخرھن (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۳ ص۳۱) نبی علیہ السلام تین وتر پڑھتے اور صرف آخر میں تشہد فرماتے۔

حضرت عائشہ رض سے ایک روایت یوں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذلک بخمس لا یجلس فی شیٔ الا فی آخرھا (مسلم ج ۱ ص۲۵۴) نبی علیہ السلام رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے جن میں پانچ وتر ہوتے تھے آپ وتروں کے صرف آخر میں بیٹھتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رض سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بخمس وسبع لا یفصل بینھا بسلام ولا بکلام (نسائی ص۲۰۲) نبی علیہ السلام پانچ وتر بھی پڑھتے سات بھی پڑھتے درمیان میں سلام وغیرہ نہیں پھیرتے تھے۔

سعد بن ہشام عائشہ صدیقہ رض سے روایت کرتے ہیں فلما اسن و اخذ

اللهم اوتر سبع رکعات لم یجلس الا فی السادستہ و السابعۃ ولم یسلم الا فی السابعۃ (ابوداؤد ج ۱ ص۱۳۵) جب آپؐ عمر رسیدہ ہو گئے اور وجود مبارک بھاری ہوگیا تو آپ سات رکعتیں پڑھتے اور صرف چھٹی اور ساتویں رکعت میں بیٹھتے اور سلام صرف ساتویں رکعت میں پھیرتے ۔

اور ایک روایت حضرت عائشہؓ سے یوں بھی آتی ہے لما اسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اخذ اللحم صلی سبع رکعات لا یقعد الا فی آخرھن (نسائی ص۲۰۲) جب آپ بوڑھے ہو گئے اور وجود مبارک بھاری ہوگیا تو آپ (مسلسل) سات رکعتیں پڑھتے اور صرف آخری رکعت میں بیٹھتے ۔

اور ایک طویل روایت میں حضرت عائشہ اس طرح فرماتی ہیں ویصلی تسع رکعات لا یجلس فیھا الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ و یدعوہ ثم ینھض ولا یسلم ثم یقوم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما (مسلم ج ۱ ص۲۵۶) اور آپؐ نو رکعتیں پڑھتے اس دوران میں آپ صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے ۔اور اللہ کا ذکر کرتے حمد بیان کرتے اور دعا کرتے پھر سلام پھیرے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے اور قیام فرماتے اور نویں رکعت پڑھتے پھر بیٹھتے اور ذکر الٰہی حمد اور دعا کرتے پھر سلام پھیر دیتے ۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں یہ سب دلیل ہے اس بات پر کہ وتر نہ تو ایک رکعت ہے نہ گیارہ ہیں نہ تیرہ ہیں بلکہ یہ اور اس کے درمیان سب جائز ہے اور ان سب کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے ۔یہ صرف بیان جواز کے لیے ہے ورنہ افضل صورت یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دی جائے ۔نبی علیہ السلام کا عام معمول بھی تھا بلکہ آپؐ نے فرمایا بھی ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے (شرح مسلم ج ۱ ص۲۵۴) بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ غزنوی حضرت شاہ ولی اللہ

مرحوم نے بھی مسوّیٰ میں وتر ایک رکعت سے لے کر تیرہ رکعت تک جائز لکھا ہے تاہم خاکسار کے علم ناقص کے مطابق ایک سلام کے ساتھ وتر نو سے زیادہ ثابت نہیں۔

احادیث مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا تین اور پانچ وتر کی صورت میں صرف آخری رکعت میں بیٹھنا چاہیے۔ نو کی صورت میں آٹھویں میں بھی بیٹھنا چاہیے اور سات کی صورت میں دونوں طرح اختیار رہے یعنی چھٹی رکعت میں بیٹھے یا نہ بیٹھے۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ نمازی پہلے سلام پھیر دے اور پھر ایک وتر الگ پڑھے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کے متعلق آتا ہے کان یسلم بین الرکعۃ والرکعتین فی الوتر حتیٰ یامر ببعض حاجتہ (بخاری ج ۱ ص۱۳۵ ۔ مؤطا امام مالک ص۴۲) کہ وہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے یہاں تک کہ کسی کو کوئی کام بھی کہہ دیتے اور پھر ایک رکعت پڑھتے۔

صوفی عبد الحمید صاحب سواتی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہ مسئلہ بنا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس سے مطلقاً وتر کا ایک رکعت ہونا ثابت کرنا دشوار ہے (نماز مسنون ص۶۴)

سوال یہ ہے کیا حنفیہ کے نزدیک کوئی صورت ایسی ہے کہ گفتگو کرنے کے بعد بھی پہلے پڑھی گئی نماز پر بنا ہو سکتی ہو۔

ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین الوتر والشفع بتسلیمۃ یسمعناھا (مسند احمد ج ۲ ص۷۶) نبی علیہ السلام طاق اور جفت کے درمیان سلام پھیرتے جسے ہم سن لیتے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں والعمل علیٰ ھذا عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین رأوا ان یفصل

لوجل بین الرکعتین والثالثۃ یوتر برکعۃ و بہ یقول مالک والشافعی واحمد واسحاق (صفحہ ۳۴) بعض اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا یہی عمل ہے وہ کہتے ہیں انسان کو دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان فرق کرنا چاہیے یعنی ایک وتر الگ پڑھنا چاہیے۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحٰق رحمہ اللہ علیہم اجمعین کا بھی مذہب ہے۔

حنفیہ صرف تین وتر کے قائل ہیں۔ اس سے کم و بیش کو جائز نہیں سمجھتے اس کے متعلق محمد بن نصر مروزی قیام اللیل میں فرماتے ہیں ھذا خلاف للاخبار الثابتۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ و خلاف لما اجمع علیہ اھل العلم (صفحہ ۲۱۲)

یہ مسلک احادیث صحیحہ آثار صحابہ اور اجماع اہل علم کے خلاف ہے۔

جن احادیث میں تین کا ذکر ہے حنفیہ اپنی کتابوں میں ان سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ بحث تین کے جائز یا ناجائز ہونے میں نہیں ہے تین کے جائز ہونے پر تو تقریباً سب کا اتفاق ہے۔ انہیں احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کرنا چاہیے کہ تین سے کم و بیش ناجائز ہیں انشاء اللہ وہ یہ ثابت نہیں کر سکیں گے۔

لطف یہ کہ تین وتروں کے لیے ان حدیثوں سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ جن میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورہ الاعلیٰ دوسری رکعت میں الکافرون اور تیسری رکعت میں الاخلاص پڑھتے تھے۔ حالانکہ حنفی مسلک اس کے سخت برخلاف ہے وہ نمازوں میں سورتوں کی تخصیص کے قائل نہیں۔

یہ کتنا ظلم ہے مطلب کی بات ہو تو ایک حدیث سے استدلال کر لیتے ہیں اور جب مطلب کی بات نہ ہو تو اسی حدیث کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ظلم کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ دیوبندی مصنف مولانا فیض احمد صاحب

گکروی نے اپنی کتاب نماز مدلل صہ ۱۴۵ (مکتبہ امدادیہ ملتان) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کے اس قول سے استدلال کیا ہے (رأیتا اناسا منذ ادرکنا یوترون بثلاث (بخاری صہ ۱۳۵) ہم نے لوگوں کو ہمیشہ تین وتر پڑھتے پایا۔

لیکن اس سے متصل ان کے اگلے الفاظ شاید انہیں ثقیل نظر آئے اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ انہیں ہضم نہیں ہو سکیں گے تو انہیں چھوڑ دیا۔ قاسم بن محمد آگے فرماتے ہیں وان کلا لواسع وارجوان لا یکون لبشیٔ منہ باس۔ بے شک جائز ہر طرح ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کسی طرح کی کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باقی اصل مسئلہ یہ ہے بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حجت ہوتی ہے۔ فرمان نبویؐ کے مقابلے میں کسی کا قول و عمل دلیل نہیں ہوتا۔ نہ اس طرح کتابیں مدلل بنا کرتی ہیں۔ ورنہ تاریخ اسلام سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ قاسم بے شک پوتے ابوبکر صدیقؓ کے ہیں مگر بیٹے محمد کے ہیں۔ اور یہ محمد وہ ہے جو قاتلان حضرت عثمانؓ میں شامل تھا اور جس نے حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کھینچا تھا۔ استغفر اللہ۔ پکڑیئے سند اس سے بھی۔

نیز قاسم بن محمد کی اس روایت سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ حنفیہ کی طرح تین وتر پڑھتے تھے۔ یعنی ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ۔ ہو سکتا ہے وہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہوں۔ یا ایک تشہد کے ساتھ تین پڑھتے ہوں جیسا کہ پہلے واضح ہوا۔

حنفیہ دو رکعت کے بعد تشہد بیٹھتے ہیں۔ یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ بروایت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع ولا تشبہوا بصلوٰۃ المغرب

(دار قطنی ج ۲ صہ ۲۵) تین وتر نہ پڑھو - پانچ یا سات پڑھو اور مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت نہ کرو - اس حدیث کے پیش نظر امام شوکانیؒ وغیرہ نے تین وتر کو مکروہ جانا ہے (نیل الاوطار ج ۳ صہ ۳۹) مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین وتر بھی پڑھنا ثابت ہیں، اس لیے حافظ ابن حجرؒ کی تطبیق قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے - وہ فرماتے ہیں یحمل النھی علی صلوٰۃ الثلاث بتشھدین وقد فعلہ السلف (فتح الباری باب جاء فی الوتر) اس نہی کا مطلب یہ ہے کہ دو تشہد کے ساتھ تین وتر نہیں پڑھنا چاہئیں - سلف سے ایسا ہی ثابت ہے -

وتر نفلی عبادت ہے

سب کے نزدیک وتر ایک نفلی عبادت ہے اور اس کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُونٹ پر وتر پڑھنا ثابت ہیں۔
سعید بن یسار سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ کے راستے پہ جا رہا تھا - صبح ہونے لگی تو میں نے اُتر کر وتر پڑھے اور پھر ان سے جا ملا - فرمایا تم کہاں رہ گئے تھے عرض کیا صبح قریب تھی اس لیے میں نے سواری سے اُتر کر وتر پڑھے ہیں - فرمایا کیا تیرے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ نہیں ہے - میں نے کہا کیوں نہیں تو فرمایا ـــ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر علی البعیر - (بخاری صہ ۱۳۶ مسلم ج ۱ صہ ۲۴۴ - مؤطا امام مالک صہ ۴۳) بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُونٹ پر وتر پڑھ لیا کرتے تھے -
اور یہ مسلّم ہے کہ سواری پہ صرف نفلی نماز ہی پڑھی جا سکتی ہے -
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک آدمی نے بار بار یہ سوال کیا آیا وتر

واجب ہیں ؟ آپؓ نے ہر بار یہی جواب دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے (موطا امام مالک ص۴۴)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبۃ ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ وتر فاوتروا یا اھل القرآن (ترمذی ج ۱ ص۳۲۶) وتر فرضی نماز کی طرح ضروری نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنت قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ وتر ہے پس تم وتر پڑھو اے اہل قرآن۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتلایا گیا کہ ابو محمد نامی ایک شامی شخص وتر کو واجب کہتا ہے تو انھوں نے فرمایا کذب ابو محمد وہ جھوٹ بولتا ہے (موطا امام مالک ص۴۳ ابوداؤد ج ۱ ص۵۳۴)

صرف امام ابو حنیفہ رحؒ کے نزدیک وتر واجب ہیں (ہدایہ ص۱۴۰) بلکہ ایک روایت کے مطابق فرض ہیں (بین السطور ہدایہ) جس کے لیے کوئی صحیح دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کان یصلی علی راحلتہ ویوتر بالارض ویزعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلک (طحاوی ج ۱ ص۴۲۹) کہ وہ نماز اپنی سواری پر اور وتر زمین پر پڑھتے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ نبی علیہ السلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

علامہ عینی اور طحاوی کا یہ خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر وتر پڑھنا یہ ان کے واجب ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ گویا ان کے نزدیک طحاوی کی یہ روایت صحاح ستہ کی روایتوں کی ناسخ ہے۔ حالانکہ خود شرح معانی الآثار للطحاوی ہی میں یہ روایت بھی موجود ہے عن نافع قال کان ابن عمر یوتر علی الراحلۃ وربما نزل فاوتر علی الارض۔ کہ ابن عمرؓ سواری پر وتر پڑھتے تھے اور کبھی کبھی زمین پر اتر کر بھی پڑھ لیتے تھے جو لوگ سواری پر وتر کو جائز سمجھتے ہیں وہ یہ تو نہیں کہتے کہ زمین پر

جائز ہی نہیں ۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اگر سواری سے اُتر کر پڑھے ہیں تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سواری پر جائز نہیں تھے ۔ یہ عجیب بات ہے عبداللہ بن عمرؓ کے اُتر کر وتر پڑھنے سے نسخ ثابت کرتے ہیں ۔ حالانکہ یہی عبداللہ بن عمرؓ (بعد از وفات نبویؐ) سعید بن یسار سے کہتے ہیں کیا تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں بہترین نمونہ نہیں ہے وہ تو اُونٹ پر وتر پڑھ لیتے تھے (صحیحین)

یہی وجہ ہے کہ علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی اس نسخ والے جواب سے مطمئن نہیں ہیں (التعلیق الممجد)

اور تو اور وتر کے وجوب کے معاملے میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تک امام ابو حنیفہؒ سے متفق نہیں (ہدایہ صفحہ ۱۰۴) یوں کہیے حضرت امام صاحبؒ اس باب میں وتر (یعنی اکیلے) ہیں

امام ابو حنیفہؒ کے قول کو تقویت پہنچانے کے لیے احناف اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار مکرر فرمایا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الخ ۔ (عن بریدہ عن ابیہ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۵۳۴) وتر حق ہیں جو نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ۔

اس میں اوّل تو عبیداللہ بن عبداللہ ابو منیب راوی متکلم فیہ ہے ۔ نیز حق کا معنی واجب نہیں ہے ۔

دُعائے قنوت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضؓ کو وتروں میں پڑھنے کے لیے یہ دُعائے قنوت سکھلائی :-

اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت و بارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انک تقضی ولا یقضیٰ علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت (ابوداؤد صفحہ ۵۳۶)

یہ دُعا ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر ان میں ولا یعز من عادیت کے الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ نسائی میں آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے وصلی اللہ علی النبی محمد (صـ۲۰۴) ترجمہ: یا اللہ مجھے ہدایت دے کر ہدایت والوں میں شامل فرما۔ عافیت بخش کر عافیت یافتہ لوگوں میں شامل فرما اور میری سرپرستی فرما کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کی تو نے سرپرستی فرمائی۔ جو تو نے مجھے دیا اس میں میرے لیے برکت عطا فرما۔ مجھے بڑے فیصلے سے محفوظ رکھ۔ بے شک تو ہی فیصلہ فرمانے والا ہے۔ تجھ پہ کسی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔ جس کی تو سرپرستی فرمائے بے شک، وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ اور جسے تو دشمن قرار دے وہ عزت نہیں پاتا۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑی برکت والا ہے اور بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبر پہ رحمت بھیجے۔

مستدرک حاکم میں وتعالیت کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں نستغفرك و نتوب علیك۔ ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں (ج ۳ صـ۱۷۲)

دُعائے قنوت واجب نہیں

حنفیہ کے نزدیک دُعائے قنوت سارا سال واجب ہے۔ بھول جائے تو سجدہ سہو کو لازم سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ وغیرہم صرف رمضان کے نصف آخر میں قنوت کے قائل ہیں۔ ان دونوں قسم کے اقوال کو کسی حدیث کی تائید حاصل نہیں ہے یہ فقط ایک دُعا ہے جو پورا سال مانگی جا سکتی ہے اور ضروری کبھی بھی نہیں۔

قنوت نازلہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً متتابعا فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاخیرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیۃ ویومن من خلفہ (ابوداؤد، ۲۰۴) نبی علیہ السلام نے متواتر ایک مہینہ پنج وقتہ نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع سے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھی۔ آپؐ قبائل بنی سلیم یعنی رعل۔ ذکوان اور عصیہ کے لیے بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مصیبت کے وقت پانچوں نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد امام کا بآواز بلند قنوت پڑھنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا مسنون ہے۔ لہٰذا حنفیہ کا فرضی نمازوں میں دعائے قنوت کو ہمیشہ منسوخ سمجھنا (ہدایہ ص۱۰۵) اور شافعیہ کا بالخصوص صبح کی نماز میں ہمیشہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں جس میں یہ ہو کہ آپؐ صبح کی نماز میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے تھے۔

صوفی عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں جمہور فقہاء احناف کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ کا پڑھنا درست ہے۔ چاہے التزام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو (نماز مسنون ص۶۵۱)

یہ الفاظ لکھنے سے پہلے نہ جانے صوفی صاحب نے ہدایہ کا مطالعہ فرما لیا تھا یا نہیں۔ یا کہیں ایسی بات تو نہیں کہ انھوں نے خدانخواستہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کو جمہور فقہاء احناف کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔

قنوت کے لیے ہاتھ اٹھانا | قنوت کے لیے ہاتھ اٹھانے کی

روایت نازلہ کے بارے میں تو نبی علیہ السلام سے موجود ہے (مسند احمد مع البنا ص۱۳۷ ج۳) وتر کے بارے میں کوئی مرفوع روایت نہیں ملتی الا یہ کہ اسے اس پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ بات تو ایک ہی ہے۔ نیز جزء رفع الیدین بخاری میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے قنوت وتر میں (ص۳۱) اور قیام اللیل مروزی میں ابن مسعودؓ کے علاوہ ابو ہریرہؓ اور کچھ تابعینؒ سے باقاعدہ قنوت رمضان میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے۔ (ص۲۳)

حنفیہ قنوت کے لیے پہلے تکبیر کہتے ہیں اور رفع یدین کرتے ہیں نہ جانے یہ مسئلہ انہوں نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔

صوفی عبد الحمید صاحب قنوت وتر میں رفع یدین کے تحت ساری بحث نقل کرنے کے بعد نصب الرایہ (ج ۱ ص۳۹۱) کے حوالے سے لکھتے ہیں قنوت وتر کے وقت رفع یدین کے سلسلہ میں احادیث تواتر کے ساتھ ثابت ہیں (نماز مسنون ص۶۴۶)

کاش صوفی صاحب ان متواتر حدیثوں میں سے کوئی ایک حدیث ہی نقل فرما دیتے۔ تاکہ خاکسار کی معلومات میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ یا شاید یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کو ہی پیغمبر خیال کرتے ہیں کیونکہ سر فہرست انھوں نے انہی کا قول پیش کیا ہے۔ (نماز مسنون ص۶۴۵)

تعلیقات سلفیہ میں فتاویٰ الشیخ حسین (ص۱۵) کے حوالہ سے لکھا ہے دعائے قنوت کے وقت دعا کرنے والے کی طرح ہاتھ اٹھانا سنت ہے یہ حضرت ابن مسعودؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ نیز یہ نبی علیہ السلام سے بھی ثابت ہے جب آپ نے ستر قاریوں کے قاتلوں پر بددعا فرمائی تھی جیسا کہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو صبح کی نماز میں ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے بددعا کرتے دیکھا۔ تو جب وتر کے علاوہ قنوت

میں نبی علیہ السلام سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے تو وتر بھی اس طرح ہیں۔ کیونکہ دونوں قنوتوں کے دعا ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ نمازی قنوت وتر میں سینے تک ہاتھ اٹھائے اور ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف رکھے۔ (ص ۲۰۵)

دُعائے قنوت قبل از رکوع یا بعد از رکوع

ابن عباسؓ سے ابوداؤد میں اور ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے صحیحین میں قنوت نازلہ کے بارے میں مرفوعاً مروی ہے کہ وہ بعد از رکوع تھا۔ نیز قیام اللیل مروزی میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت بعد الرکعۃ و ابوبکر و عمر حتیٰ کان عثمان قنت قبل الرکعۃ لیدرک الناس (ص ۲۲۸) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا شروع کر دیا تاکہ وہ لوگوں کو رکعت مل جانے کا موقع دے سکیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے خاص وتروں کے بارے میں روایت ہے ویقنت قبل الرکوع (نسائی ص ۲۰) اور نبی علیہ السلام رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔ نیز حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں تو کہا پہلے۔ اعتراض ہوا فلاں نے تو آپ سے بعد رکوع کی روایت کی ہے تو کہنے لگے اس نے جھوٹ بولا۔ نبی علیہ السلام نے ایک مہینہ جو قنوت (یعنی نازلہ) پڑھا تھا وہ بے شک رکوع کے بعد تھا۔ (بخاری ص ۱۳۶)

اب اس مسئلہ میں دو طرح غور کیا جا سکتا ہے۔ اگر تو قنوت نازلہ اور اور قنوت وتر میں فرق نہ کیا جائے تو پھر بقول بیہقیؒ رواۃ القنوت بعد الرفع

اکثر و احفظ وعلیہ درج الخلفاء الراشدون (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۴۳) رکوع سے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھنے کے راوی زیادہ ہیں اور احفظ ہیں اور خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل ہے۔ اور اگر فرق سمجھا جائے جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے بظاہر محسوس ہوتا ہے تو پھر وتروں میں قبل از رکوع کو ترجیح ہونی چاہیے۔ کیونکہ صحاح ستہ میں نبی علیہ السلام سے خاص وتروں کے بارے میں بعد از رکوع کی کوئی روایت مروی نہیں ہے سوائے اس کے کہ بیہقی (ج ۳ ص۳۹) میں حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں وتروں میں بعد از رکوع دعائے قنوت پڑھنے کی تعلیم دی تھی یا حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ وتروں میں بعد از رکوع قنوت پڑھتے تھے (قیام اللیل مروزی ص۲۴۸) اگلے صفحہ پر امام اسحٰقؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی وتروں میں بعد از رکوع قنوت پڑھتے تھے۔ مصنف کتاب ہذا نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وتروں کے بعد نماز

ارشادِ نبویؐ ہے اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا (عن ابن عمرؓ بخاری ص۱۳۶) رات کو تمہاری آخری نماز وتر ہونی چاہیے۔

"تاہم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ بھی مروی ہے ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع (مسلم ص۲۵۴) آپؐ وتر پڑھ کر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے۔ اس کے تحت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وتروں کے بعد نبی علیہ السلام کا بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھنا صرف یہ بتلانے کے لیے ہے کہ وتروں کے بعد نماز جائز ہے اور یہ کہ نفل بیٹھ کر بھی پڑھے جا

سکتے ہیں - ورنہ آپؐ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی تھی بلکہ یہ عمل آپؐ نے صرف ایک بار یا دو بار یا چند بار کیا ہے (شرح مسلم ص۲۵۴)

معلوم ہوا یہ دو نفل ہمیشہ نہیں پڑھنے چاہییں - نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا اگر کوئی وتر پڑھ چکا ہو اور پھر بعد میں نوافل کی نیت بن جائے تو اسے نقض وتر کی ضرورت نہیں - نہ حضورؐ سے یہ ثابت ہے یعنی اولاً وتر پڑھ کر سابقہ وتر کو توڑنا اور آخر میں پھر وتر پڑھنا - اس طرح کرنا حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ - ابن عباسؓ وغیرہم سے ثابت ہے (قیام اللیل مروزی ص۲۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا وتران فی لیلۃ (عن طلق بن علی - ترمذی ج ۱ ص۳۴۴) ایک رات میں دو بار وتر نہیں۔

توجب دو بار وتر جائز نہیں تو تین بار کیسے جائز ہو جائیں گے - امام ترمذی فرماتے ہیں یہی قول ہے سفیان ثوری کا، امام مالک کا، امام احمدؒ کا اور ابن مبارک کا اور یہی زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے وتر کے بعد نماز پڑھی ہے (ج ۱ ص۳۴۵)

حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ - عمار بن یاسرؓ - ابن عباسؓ - ابوہریرہؓ اور رافع بن خدیج بھی بار بار وتر کے قائل نہیں تھے - (قیام اللیل ص۲۲۰ و ص۲۲۱)

مشکوٰۃ میں دارمی (ج ۱ ص۳۱۲) کے حوالے سے روایت آئی ہے:

ان ھذا السھر جھد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین فان قام من اللیل والا کانتا لہ (عن ثوبان باب الوتر) بے شک شب بیداری مشکل اور بھاری ہوتی ہے - وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیا کرو - اگر کوئی رات کو اٹھ گیا تو فبہا ورنہ یہی دو رکعتیں اسے کافی ہو جائیں گی۔

اس روایت سے وتر کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت ظاہر ہوئی، یہ روایت دارقطنی میں بھی ہے (ج ۱ صفحہ ۳۹) علامہ ڈیانوی نے اس کے حاشیہ (التعلیق المغنی) میں اور عبداللہ ہاشم نے تخریج دارمی میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ لیکن علامہ عبیداللہ رحمانی نے مرعاۃ ج ۳ صفحہ ۲۱۹ میں اس کے ایک راوی عبداللہ بن صالح کے بارے میں لکھا ہے، وفیہ کلام اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہو سکتا ہے یہ آپؐ نے سفر کے بارے میں فرمایا ہو۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بیہقی (ج ۳ صفحہ ۳۳) میں سحر کی بجائے سفر کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بیٹھ کر نوافل

حضرت عائشہؓ سے مروی مذکور حدیث (مسلم صفحہ ۲۵۴) سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے (لبا اوقات) وتروں کے بعد بیٹھ کر دو نفل پڑھے ہیں۔ اکثر حنفیہ نے یہ معمول بنا لیا ہے کہ وہ ظہر، مغرب اور وتروں کے بعد باقاعدہ بیٹھ کر دو نفل پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اس چیز کی فضیلت نہ کسی حدیث کی کتاب میں ہے نہ کسی فقہ کی کتاب میں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ان صلی قائما فھو افضل ومن صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم (عن عمران بن حصین بخاری صفحہ ۱۵۰) کھڑے ہو نماز پڑھنا افضل ہے بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

آپؐ سے جو بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں
(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں لما بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثقل کان اکثر صلاتہ جالسا (مسلم صفحہ ۲۵۳)
جب نبی علیہ السلام کا وجود مبارک بھاری ہو گیا تو آپ اکثر بیٹھ کر

(نفلی) نماز پڑھتے تھے (۲) عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا حدثت یا رسول اللہ انک قلت صلوٰۃ الرجل قاعدا علی نصف الصلوٰۃ وانت تصلی قاعدا قال اجل ولکنی لست کاحد منکم (مسلم ج ۱ صـ۲۵۳)

یا رسول اللہ میں نے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں فرمایا ہاں لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

یعنی یہ آپؐ کا خاصہ بھی تھا کہ آپؐ کو پورا ثواب ملتا تھا۔ عبد اللہ بن شقیق سے روایت ہے قلت لعائشۃ ھل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وھو قاعد قالت نعم بعد ما حطمہ الناس (مسلم ج ۱ صـ۲۵۲) میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا نبی علیہ السلام بیٹھ کر بھی نماز پڑھ لیتے تھے۔ کہنے لگیں ہاں جب کہ لوگوں نے حضورؐ کو بوڑھا کر کے رکھ دیا تھا۔ ایک روایت میں حضرت عائشہؓ اس طرح فرماتی ہیں ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی شئ من صلوٰۃ اللیل جالسا حتیٰ اذا کبر قرأ جالسا حتیٰ اذا بقی علیہ من السورۃ ثلثون او اربعون آیۃ قام فقرأھن ثم رکع (مسلم ج ۱ صـ۲۵۲) میں نے نبی علیہ السلام کو کبھی بیٹھ کر تہجد پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی تو آپ بیٹھ کر پڑھنے لگے۔ جب سورت میں سے تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو آپ انہیں کھڑے ہو کر پڑھتے اور پھر رکوع فرماتے۔ معلوم ہوا بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع سے پہلے کھڑا بھی ہو سکتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوا نبی علیہ السلام نے بڑھاپے میں بیٹھنا شروع کیا تھا۔ ہمارے ہاں نوعمر بچے کیا اور ہٹے کٹے نوجوان کیا سب بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور رکوع کے لیے کھڑے بھی نہیں ہوتے حالانکہ وہ حدیث جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھے ثواب کا ذکر ہے ہدایہ میں بھی نقل کی گئی ہے (باب النوافل صـ۱۰۹)

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے۔ لیکن بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے۔ اس میں وتر کے بعد کی نفلیں بھی آگئیں (بہشتی زیور ج ۲ صہ ۴۳)

صوفی عبدالحمید صاحب مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ چاہے نصف ثواب ہی ملے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تو ہم بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ (نماز مسنون صہ ۶۵۳)

قاری اس فقرے سے یہ تاثر لے سکتا ہے شاید ان لوگوں کے دل میں نبی علیہ السلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو نبی علیہ السلام جلسہ استراحت بھی فرمایا کرتے تھے۔ (عن مالک بن حویرث بخاری صہ ۱۱۳) فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹ بھی جایا کرتے تھے (عن عائشہ۔ بخاری صہ ۱۵۵) اور آخری قعدہ میں تورک بھی فرمایا کرتے تھے (عن ابی حمید الساعدی بخاری صہ ۱۱۴) ہے جرأت اتباع؟

مریض کی نماز

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کانت بی بواسیر فسألت رسول اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب (بخاری صہ ۱۵۰ ترمذی صہ ۲۹۳)

مجھے بواسیر کی شکایت تھی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں پوچھا تو فرمایا نماز کھڑے ہو کر پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو کروٹ کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔

مگر حنفیہ اس مسئلہ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں قبلے کی طرف ٹانگیں کر کے

پشت کے بل چت لیٹ کر پڑھے (ہدایہ صفحہ ۱۲) تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی ہے جس کا وجود خود انہی کی طرح بے بنیاد ہے۔
میں سمجھتا ہوں اس میں نہ صرف حدیث پیغمبرؐ کی توہین ہے بلکہ قبلہ کی بھی توہین ہے۔

فرائض کی قضا

ارشاد نبویؐ ہے من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکرلا کفارۃ لھا الا ذلک اقم الصلوٰۃ لذکری (عن انس بن مالک بخاری ص۸۴ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۴۱) نماز بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لینی چاہیے یہی اس کا کفارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔
اگر متعدد نمازیں قضا ہو جائیں تو بہتر ہے کہ انہیں ترتیب سے پڑھا جائے کیونکہ غزوہ خندق کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے لے کر عشاء تک تمام نمازیں ایک اذان اور الگ الگ اقامت کے ساتھ بالترتیب پڑھائی تھیں (ترمذی ص۱۵۸)
بخاری شریف میں صرف ایک نماز عصر کی قضا کا ذکر ہے (عن جابر ص۸۳)

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں من نسی صلوٰۃ فلم یذکرھا الا وھو مع الامام فاذا سلم الامام فلیصل الصلوٰۃ التی نسی ثم لیصل الاخریٰ (مؤطا امام مالک ص۵۹) حالت اقتداء میں بھولی ہوئی نماز یاد آجائے تو اسے چاہیے کہ سلام پھرنے کے بعد پہلے اس کی قضا دے پھر اس دوسری نماز کو دہرائے۔
چنانچہ امام مالکؒ اور حنفیہ وجوب ترتیب کے قائل ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک ترتیب ضروری نہیں۔ امام شوکانیؒ نے بھی ترتیب کے واجب نہ

ہونے کو ترجیح دی ہے (نیل الاوطار ج ۲ صـ۳۲)

میں سمجھتا ہوں بلا وجہ ترتیب میں فرق نہیں ڈالنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو مجبوری ہے۔ جیسے اگر کسی کے ذمے ظہر کی نماز ہو اور اسے عصر کی جماعت مل رہی ہو تو وہ اس میں فقط اس لیے شامل نہ ہو کہ ابھی اس نے ظہر کی نماز پڑھنی ہے۔ غلط بات ہے بلکہ امام عصر کی نیت کرے تو مقتدی ظہر کی نیت بھی کر سکتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

ایک نماز تو خراب ہوئی ضرور باقی نمازوں کو بھی خراب کرنا ہے۔ جہاں تک حنفیہ کا معاملہ ہے سو ان کی خدمت میں گزارش ہے اگر فقط فعل سے ترتیب کا وجوب ثابت ہوتا ہو تو نبی علیہ السلام نے ہمیشہ ترتیب سے وضو فرمایا مگر حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں جو کہ ایک ہی عمل ہے نمازیں تو پھر الگ الگ مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔ بلکہ یہ مسبوق کے بارے میں بھی ترتیب رکعات کے خلاف ہیں ....
ان کے نزدیک وہ اپنی پہلی رکعتیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر پڑھتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے محل الخلاف اذا لم تکثر الصلوات الفوائت فاما اذا کثرت فلا خلاف انہ یبدأ بالحاضرۃ واختلفوا فی حد القلیل فقیل صلوٰۃ یوم وقیل اربع صلوات (فتح الباری۔ باب من صلی بالناس جماعۃ لعل ذھاب الوقت)

یہ اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب زیادہ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں زیادہ کی صورت میں بلا اختلاف حاضر نماز کو پڑھنا چاہیے۔ کم کی تعداد میں اختلاف ہے بعض نے کہا پورے دن کی نمازیں اور بعض نے چار نمازیں ـــ حنفیہ پورے دن کی نمازوں (یعنی پانچ) کو کم کی حد تک خیال کرتے ہیں (ہدایہ ج ۱ صـ۱۱۳) یہ بات کہ اتنی نمازیں قضا ہوں تو ترتیب

ضروری ہے اور اس سے زیادہ قضا ہوں تو ترتیب ضروری نہیں۔ اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جو کہ نہیں ہے۔

اگر وقت تنگ ہو تو امام مالکؒ پھر بھی ترتیب کو ضروری خیال کرتے ہیں خواہ حاضر نماز کا وقت نکل جائے۔ حنفیہ ایسی صورت میں دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں۔ (ہدایہ۔ قضا الفوائت ص۱۱۳)

اگر بے شمار نمازیں پڑھنے سے رہ گئی ہوں تو ان کی قضا دینے کی ضرورت نہیں۔ اسے یوں سمجھنا چاہیے جیسے وہ ابھی مسلمان ہوا ہو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے فرمان باری تعالیٰ ہے لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا (البقرہ ۳۰۶) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

غزوہ خندق والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضا نمازیں باجماعت پڑھی جا سکتی ہیں نہ صرف یہ بلکہ ان کے لیے اذان اور اقامت بھی کہی جا سکتی ہے۔ ایک سفر کے دوران میں پورا قافلہ دن چڑھے تک سوتا رہا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے کے بعد حضرت بلالؓ سے اذان اور اقامت کہلوا کر صبح کی جماعت کرائی (بخاری ص۸۳ مسلم ص۲۳۸)

صحیحین کی اس حدیث سے معلوم ہوا قضا نماز باجماعت پڑھنے کے لیے اس صورت میں بھی اذان اور اقامت کہی جا سکتی ہے جب کسی بھی فرضی نماز کا وقت نہ ہو۔

نوافل کی قضا

تہجد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من نام عن حزبہ او عن شئ منہ فقراہ فیما بین صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ

الظهر کتب لہ کانما قرأہ من اللیل (عن عمر۔ مسلم۔ بحوالہ مشکوٰۃ، باب القصد فی العمل) جو شخص سوتا رہا اور اپنے رات کا وظیفہ بالکل نہ پڑھ سکا یا اس کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا تو اسے فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو گویا رات کو ہی پڑھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل اربعا قبل الظھر صلاھن بعدھا (ترمذی ص۳۲۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر ظہر سے پہلے چار رکعتیں نہ پڑھ سکتے تو انہیں ظہر کے بعد پڑھ لیتے ——

بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کی آمد کے موقع پر ظہر کے بعد والی سنتوں کی قضا عصر کی نماز کے بعد دی تھی۔ (عن ام سلمہ رضؓ۔ مسلم ص۲۷۷)

تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من نسی صلوٰۃ اونام عنھا فکفارتھا ان یصلیھا اذا ذکرھا (عن انس مسلم ص۲۴۱) جو شخص کسی نماز کو بھول گیا یا اس سے سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:۔

ھذا عموم یدخل فیہ کل صلوٰۃ فرض اونفل وھو فی الفرض امر فرض وفی النفل امر ندب۔ (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۴۴)

یہ حدیث فرض اور نفل ہر دو پر مشتمل ہے۔ فرض کی قضا فرض ہے اور نفل کی قضا مستحب ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے واما سائر السنن سواھا لا تقضی بعد الوقت وحدھا (ص۱۱۲) فجر کی سنتوں کے سوا باقی سنتوں کی قضا وقت گزرنے کے بعد تنہا نہ دی جائے۔

یعنی اگر نماز بھی پڑھنے سے رہ گئی ہو تب تو ساتھ سنتیں بھی پڑھ لے اور اگر صرف سنتیں رہ گئی ہوں تو پھر ان کی قضا نہ دی جائے۔

وتر کی قضا

حکم نبوی صلعم ہے اوتروا قبل ان تصبحوا (عن ابی سعید الخدری ترمذی صفحہ ۳۴۴) صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لو۔

اگر وقت پر نہ پڑھے جاسکیں تو عطا وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کی قضا نہیں ہے۔ اکثر علماء کا خیال یہ ہے نماز فجر سے پہلے پہلے پڑھ لینے چاہئیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی سے روایت آتی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصبح و یوتر (مسند احمد۔ طبرانی اوسط۔ قیام اللیل مروزی صفحہ ۲۳۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت وتر پڑھ لیتے تھے۔ قیام اللیل اور امام شافعی رحہ امام احمد رحہ، امام مالک رحہ سے صحابہ رضی و تابعین رحہ کے حوالے موجود ہیں جنہوں نے فجر کے بعد وتر کی قضا کو جائز رکھا ہے۔

اور اگر صبح کی نماز تک بھی نہ پڑھے جاسکیں تو امام شافعی، امام احمد امام مالک اور بہت سے اہل علم کے نزدیک بعد میں ان کی قضا جائز نہیں امام مروزی نے دیگر نفلوں کی قضا پر قیاس کر کے صبح کی نماز کے بعد بھی وتروں کی قضا کو جائز قرار دیا ہے۔ تنہا امام ابو حنیفہ رحہ کے نزدیک چونکہ وتر فرض ہیں اس لیے ان کے نزدیک وتر پڑھے بغیر صبح کی نماز ہی فاسد ہے (ہدایہ صفحہ ۱۱۵)

نفلی نماز کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی سے روایت ہے ان رجلا سأل النبی

صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل فقال مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشیت الصبح فاوتر برکعۃ (مسلم ص۲۵۷) ایک آدمی نے نبی علیہ السلام سے رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا دو دو رکعتیں کر کے پڑھو۔ جب صبح ہونے لگے تو ایک وتر پڑھ لو۔

اس کے تحت علامہ نووی لکھتے ہیں یہ روایت بخاری ص۱۳۵ میں بھی ہے نیز ابو داؤد اور ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت اس طرح ہے:

صلوٰۃ اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ۔ یعنی رات کو بھی اور دن کو بھی نفلی نماز دو دو کر کے پڑھنی چاہیے (نہار کا لفظ اس میں مشکوک ہے (ترمذی ج ۱ ص۴۰۹)

یاد رہے کہ یہ حدیث افضلیت پر محمول ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے چاہے نفل دن کے ہوں یا رات کے۔

ویسے اگر کوئی شخص ایک سلام کے ساتھ کئی رکعتیں پڑھ ڈالے یا فقط ایک ہی رکعت پڑھ لے تو ہمارے نزدیک وہ بھی جائز ہے۔ (شرح مسلم)

عقبہ بن حارث کہتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا مثنیٰ مثنیٰ کا کیا مطلب ہے تو جواب دیا ان تسلم فی کل رکعتین (مسلم ص۲۵۷) کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دو۔

اس سے حنفیہ کی اس تاویل کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد درمیانہ تشہد ہے (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۴۰۹)

ہدایہ میں ہے والافضل فی اللیل عند ابی یوسف ومحمد مثنیٰ مثنیٰ وفی النھار اربع اربع وعند الشافعی فیھما مثنیٰ مثنیٰ وعند ابی حنیفۃ۔ فیھما اربع اربع (ص۱۰۶) امام ابو یوسفؒ

اور امام محمدؒ کے نزدیک رات کو دو دو اور دن کو چار چار امام شافعیؒ کے نزدیک دن رات دو دو اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن رات چار چار رکعتیں کر کے پڑھنا افضل ہے۔

یعنی یہ اختلاف سب کے نزدیک صرف افضلیت میں ہے ورنہ نبی علیہ السلام سے کبھی کبھی ہر طرح ثابت ہے۔ رات کو تو بے شک دو دو کر کے پڑھنا ہی افضل ہے۔ دن کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں کہ کونسی صورت افضل ہے۔ اگر رات پر قیاس کیا جائے تو دو دو کر کے پڑھنا افضل معلوم ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ رات کی نماز مثنیٰ مثنیٰ یعنی دو دو ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل نے پوچھا ہی رات کے بارے میں تھا۔

نبی علیہ السلام نے حضرت انسؓ کے گھر میں باجماعت نماز پڑھائی تھی وہ غالباً دن ہی کو تھی اور دو رکعت تھی (مسلم ص۲۳۴)

امام بخاریؒ نے باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ کے تحت فرمایا ہیں دو دو کر کے ہی پڑھنے کا مسلک مذکور ہے۔ عمار بن یاسرؓ، ابوذرؓ، انسؓ۔ جابر بن زیدؓ۔ عکرمہؓ اور زہریؒ سے اور یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا ما ادرکت فقہاء ارضنا الا یسلمون فی کل اثنتین من النھار (ج ا ص۱۵۵) میں نے مدینہ کے تمام فقہاء کو اسی بات پر متفق پایا ہے کہ وہ دن کے وقت ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے ہیں۔

فرضی نماز مسجد میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلوٰتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسا و عشرین

ضعفا عن ابی ھریرہ (بخاری صـ۸۹ مسلم صـ۲۳۱) آدمی کا مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا گھر اور بازار کے مقابلے میں ۲۵ گنا زیادہ افضل ہے - نیز فرمایا من توضأ فاحسن وضوءہ ثم راح فوجد الناس قد صلوا اعطاہ اللہ عزوجل مثل اجر من صلاھا وحضرھا لا ینقص ذلک من اجرھم شیئا (عن ابی ھریرہ ابوداؤد ج ۱ صـ۲۲۲) جس نے سنت کے مطابق وضو کیا اور مسجد میں پہنچا تو جماعت ہو چکی تھی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی جماعت میں شامل ہونے والے کے برابر ثواب مرحمت فرمائے گا -

یعنی آنے والا جان بوجھ کر دیر سے نہ آئے - بلکہ اسے اُمید ہو کہ جماعت مل جائے گی مگر نہ مل سکے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس صورت میں جماعت کا ثواب لینے کے لیے اسے دوسری مسجدوں کا رُخ کرنے کی ضرورت نہیں -

مل کر کھڑے ہونا

یاد رہے باجماعت نماز کا ثواب فقط انہی کو ملتا ہے جو سنت نبوی کے مطابق مل کر کھڑے ہوتے ہیں - ارشاد نبوی ہے سدوا الخلل فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلۃ الحذف (عن ابی امامۃ احمد ج ۵ صـ۱۵) شگاف بند کرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچے کی مانند داخل ہو جاتا ہے -

جو لوگ نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے نہیں ہوتے بلکہ شیطانوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں - انہیں جماعت کا خاک ثواب ملتا ہوگا - مل کر کھڑے ہونے سے مراد صرف کندھے سے کندھا ملانا نہیں

پاؤں سے پاؤں ملانا بھی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے
فرمایا اقیموا صفوفکم فانی اریکم من وراء ظھری وکان احدنا
یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ (بخاری صنا)
اپنی صفیں درست کرو میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ چنانچہ ہم کندھے
سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔

جس حدیث میں شیطان کا ذکر ہے۔ بعض غیر اہلحدیث اس کا مذاق
اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں شیطان تو ایک آدمی کی ٹانگوں کے درمیان بھی
کھڑا ہو سکتا ہے۔ ہمیں تو اُمید نہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے والے
کی قوم ایسی جگہ کھڑا ہونا پسند کرتی ہو۔ پھر نبی علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا
کہ شیطان تمہاری ٹانگوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔ بلکہ فیما بینکم فرمایا
ہے یعنی تم نمازیوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے غور کیا جائے تو اگر پاؤں سے پاؤں نہ ملے ہوئے
ہوں تو کندھے ملانے کا بھی خاص فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ شیطان جو
بکری کے بچے کی مانند ہوتا ہے اس کا قد تو کندھے کے برابر پہنچتا ہی
نہیں۔

حدیث شریف میں ہے اقیموا صفوفکم وتراصوا (عن انس رضہ
بخاری صنا) اپنی صفیں سیدھی کرو اور مل کر بلکہ جُڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔

حنفیہ اپنی عام کتابوں میں وہ حدیثیں تو بیان کرتے ہیں جن میں صفیں
سیدھی اور برابر کرنے کا حکم ہے۔ وہ حدیثیں بیان نہیں کرتے جن میں
مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ یہ خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

اذانیں گونجتی ہیں۔ بے شمار لوگ مسجدوں کا رُخ نہیں کرتے۔ شاید

وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں نماز منجانب اللہ معاف ہے۔ کچھ بڑے قسم کے لوگ (رہائی جینٹری) گھروں میں پڑھ لیتے ہیں۔ انہیں یہ گوارا نہیں ہوتا کہ محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں۔ کچھ نازک طبع لوگ یہ بہانہ بنا لیتے ہیں کہ مسجدوں میں فرقہ واریت اور لڑائی جھگڑا بہت ہوتا ہے۔ اسے عذر لنگ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتے ہیں۔ اللہ کے وہ بندے جو مسجد کی اہمیت کو سمجھتے ہیں ان عذر ہائے لنگ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ عام لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتا۔ نہ کبھی ان کی شان کم ہوئی ہے اور نہ کبھی ان کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے۔

جہاں تک فرقہ وارانہ تقریروں کا تعلق ہے تو بھائی صاف بات یہ ہے کہ یہ پروگرام فرمائشی ہوتے ہیں۔ سرکردہ مقتدیوں کی مرضی کے بغیر ایک لفظ بھی کسی کے خلاف نہیں بولا جا سکتا وہ اگر چاہیں تو ایک منٹ میں اس منحوس سلسلے کو بند کرا سکتے ہیں ـــ تاہم ہمارے ہاں ہر مکتب فکر کی مساجد موجود ہیں۔ حساس باشعور اور غیور لوگ فرقہ واریت کی لعنت سے یوں بھی نجات پا سکتے ہیں کہ وہ نمازوں کے لیے رخ ہی ایسی مسجدوں کا کیا کریں جہاں شخصیات سے ہٹ خالص کتاب و سنت کی دعوت دی جاتی ہو۔ مسجدوں میں نہ پڑھنے کا بہرحال کوئی جواز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت غضب کے عالم میں ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم میرا جی چاہتا ہے کہ نمازوں میں شامل نہ ہونے والے مردوں پر ان کے گھر جلا کر پھونک ڈالوں (عن ابی بکرہ۔ بخاری ص ۸۹ مسلم ص ۲۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ایک شخص دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے مگر جمعہ و جماعت میں شرکت نہیں کرتا اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو فرمایا ھو فی النار۔ وہ جہنم میں جائے گا۔

(ترمذی ج ۱ ص ۱۸۸)

ایک نابینا آدمی (حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رض) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ مجھے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں۔ آپ مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے اولاً اجازت دے دی۔ پھر دوبارہ بلا کر پوچھا اذان سنتے ہو؟ عرض کیا ہاں۔ تو فرمایا تمہیں آنا چاہیے (عن ابی ہریرہ۔ مسلم ص ۲۳۲)

نماز کس کے پیچھے پڑھیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یؤم القوم اقرأهم لكتاب الله فان كانوا فى القرأة سواء فاعلمهم بالسنة فان كانوا فى السنة سواء فاقدمهم هجرة فان كانوا فى الهجرة سواء فاقدمهم سلما (عن ابی مسعود الانصاری۔ مسلم ج ۱ ص ۲۳۶) لوگوں کی امامت وہ کرائے جو سب سے اچھا قرآن پاک پڑھتا ہو اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو سنت کو بہتر طور پر سمجھتا ہو۔ اگر وہ سنت کے معاملے میں برابر ہوں تو پھر وہ جس نے سب سے پہلی ہجرت کی ہو اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو سب سے پہلے اسلام لایا ہو ایک روایت میں اقدمهم سلما کی بجائے اكبرهم سنا کے الفاظ ہیں۔ یعنی وہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اس سے ثابت ہوا امام کو ہر حال میں کسی نہ کسی طرح مقتدیوں سے افضل ہونا چاہیے۔

اس حدیث پر حنفیوں نے اپنی طرف سے جو حاشیہ آرائی فرمائی ہے (درمختار ج ۱ ص ۴۲) حیا اسے بیان کرنے سے مانع ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ثلاثۃ رجل ام قوما وھم لہ کارھون وامرأۃ باتت وزوجہا علیہا ساخط ورجل سمع حی علی الفلاح ثم لم یجب (ترمذی ج ۱ ص۲۸۶)
نبی علیہ السلام نے تین شخصوں پر لعنت فرمائی ہے وہ امام جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں ۔ وہ عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو اور وہ آدمی جو اذان سن کر مسجد میں نہ جائے ۔

امام ترمذیؒ نے کہا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا الصلوٰۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر (ابوداؤد ج ۱ ص۲۳۱) فرضی نماز ہر مسلمان کے پیچھے جائز ہے چاہے وہ نیک ہو یا بد بلکہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ۔ مگر اس کی سند میں راوی مکحول کی ابوہریرہؓ سے ملاقات ثابت نہیں ۔

صاحب سبل السلام لکھتے ہیں بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر نیک وبد کے پیچھے نماز صحیح ہو جاتی ہے مگر یہ سب کی سب ضعیف ہیں ۔

اس کے برعکس ایک روایت یوں بھی آتی ہے لا یؤمنکم ذو جرأۃ فی دینہ ۔ بے دین آدمی تمہاری امامت نہ کرائے ۔

مگر یہ بھی ضعیف ہے ۔ احناف اور شوافع جو فاسق کی امامت کو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں چونکہ جانبین کی روایتیں ضعیف ہیں اس لیے ہم اس اصل کی طرف لوٹیں گے کہ جس کی اپنی نماز صحیح ہے اس کی امامت بھی صحیح ہے صحابہ کا عمل اس کی تائید کرتا ہے ۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے تاریخ میں عبدالکریم سے بیان کیا ہے کہ میں نے دس صحابہ کرام کو ظالم حاکموں کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ۔ اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

ابوذرؓ سے فرمایا کیف انت اذا کانت علیك امراء یوخرون الصلوٰۃ عن وقتھا او یمیتون الصلوٰۃ عن وقتھا قال فما تامرنی قال صل الصلوٰۃ لوقتھا فان ادرکتھا معھم فصل فانھا لك نافلۃ (مسلم ج ۱ صـ۲۳) تم اس وقت کیا کرو گے جب تمہارے حکام نمازیں لیٹ پڑھا کریں گے؟ عرض کیا پھر ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا تم وقت پہ نماز پڑھ لیا کرنا۔ اگر ان کی جماعت مل جائے تو اس میں بھی شامل ہو جانا تمہاری وہ نماز نفل ہو جائے گی۔ (جزء ۲ صـ۲۹)

خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ سے لوگوں نے بلوائیوں کی امامت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساءوا فاجتنب اساء تھم (بخاری باب امامۃ المفتون والمبتدع صـ۹۶) لوگوں کا سب سے اچھا عمل نماز ہے۔ جب وہ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور جب برا کام کریں تو ان کی برائی سے الگ رہو۔

اسی باب میں حضرت حسن بصریؒ کا قول لکھا ہے صل وعلیہ بدعتہ تم نماز پڑھ لو۔ امام اگر بدعتی ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔

ایک مسجد میں اذان ہو چکی تھی۔ بعد میں مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جو بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے اپنے ساتھی مجاہد سے کہا اخرج بنا من ھذا المبتدع ولم یصل فیہ۔ ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو۔ چنانچہ آپ نے وہاں نماز نہ پڑھی۔ (ترمذی ج ۱ صـ۱۷۷)

قصہ مختصر نماز ایسے امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے جو نیک ہو اور شریعت کا پابند ہو۔ باقی جہاں تک نماز کے جائز ہونے کا تعلق ہے ان احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو

جاتی ہے۔ البتہ مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ اور وہ کوئی عمل کرے بھی تو قبول نہیں ہوتا۔

اور مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا اس کی صفات میں کسی کو شریک ٹھہرائے یا قرآن وسنت کے خلاف کسی کو اپنے لیے واجب الاطاعت قرار دے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔

جمعہ وجماعت میں عورتوں کی شرکت

جمعہ وجماعت کے حکم سے عورتیں مستثنیٰ ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا ۔ عن ابن مسعود (ابوداؤد ج ۱ صـ۲۲۳) عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا اس کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

لیکن انہیں مسجدوں میں آنے کی اجازت بہرحال ہے فرمایا لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن (عن ابن عمرؓ۔ ابوداؤد ج ۱ صـ۲۲۲) اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو تاہم ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔ فرمایا اذا استاذنت امرأۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعھا۔ عن ابن عمرؓ (بخاری صـ۱۲۰۔ مسلم صـ۱۸۳) جب تمہاری کوئی عورت تم سے مسجد میں آنے کی اجازت طلب کرے تو اسے منع نہ کرو۔

حنفیہ کا فتویٰ اس سے مختلف ہے۔ بہ خوف فتنہ کی وجہ سے

جمعہ وجماعت میں عورتوں کی شرکت کو مکروہ جانتے ہیں (ہدایہ ج ۱ صـ۸۶ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ صـ۸۹)

حالانکہ فتنے کا خیال صحابہ کرامؓ کو بھی آیا تھا تاہم انھوں نے منع نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل (بخاری صـ۱۲۰ مسلم صـ۱۸۳) عورتیں جو کرنے لگی ہیں اگر نبی علیہ السلام دیکھ لیتے تو انہیں مسجد سے اسی طرح روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئی تھیں۔

مگر حضرت عائشہؓ نے منع نہ کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ منع کرنے کا حق صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔

حضرت ابن عمرؓ نے حدیث بیان فرمائی کہ عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں نہ روکو۔ ان کے بیٹے بلال نے کہا واللہ ہم تو روکیں گے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے اسے شدید ڈانٹا اور سخت سست کہا اور فرمایا میں تجھے پیغمبر کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم روکیں گے (مسلم صـ۱۸۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مرتے دم تک اس سے کلام نہیں کیا (مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ) باب الجماعۃ و فضلہا۔

اس سے معلوم ہوا جو حدیث سن کر اس پر عمل کرنے سے انکار کر دے وہ اس قابل ہے کہ اس سے کلام نہ کیا جائے۔

اگر شریعت سازی اپنے ہاتھ لے لی جائے تو پھر مصلحتاً بہت سی حدیثوں کو منسوخ کیا جا سکتا ہے مثلاً ایک ہی مثال لے لیجیے نبی علیہ السلام نے پہلے منع کرنے کے بعد پھر زیارت قبور کی اجازت دے دی تھی۔ مگر اب ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں قبر پرستی کا رجحان عام ہو گیا ہے تو

کیا اب زیارت قبور سے سب کو منع کر دیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے اجازت اپنی جگہ ہے اور شرائط و آداب اپنی جگہ ہیں۔ اگر کوئی انہیں ملحوظ رکھ کر حدیث پر عمل کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ منع کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا اذا شھدت احدٰکن المسجد فلا تمس طیبا (مسلم ص۱۸۳) مسجد میں خوشبو لگا کر مت جاؤ۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لیخرجن وھن تفلات (ابوداؤد ص۲۲۲) اللہ کی بندیوں کو خانہ ہائے خدا میں جانے سے مت روکو لیکن انہیں بھی چاہیے کہ وہ سادگی کے ساتھ نکلیں۔

اب تو خیر حنفیہ نے بھی اپنی مسجدوں کے دروازے عورتوں کے لیے کھول دیے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں سے تقلید کا ایک بُت پاش پاش کر دیا ہے۔ بے شک یہ مسلک اہل حدیث کی منجملہ فتوحات میں سے ایک عظیم الشان فتح ہے۔

لطف یہ کہ انہی کے سوادِ اعظم نے ۸۸ء کے الیکشن میں ووٹ دے کر ایک نوجوان لڑکی کو پاکستان کا وزیر اعظم بھی بنا دیا ہے۔ ان کے نزدیک تو عورت کے پیچھے اب نماز بھی جائز ہونی چاہیے کیونکہ ان کے مذہب میں حاکم ہی امامت کا اصل حق دار ہوتا ہے ولا یجوز اقامتھا الا للسلطان اولمن امرہ السلطان (ہدایہ ج ا ص۱۲۷) حاکم کے علاوہ کسی کو جمعہ پڑھانے کی اجازت نہیں یا جسے حاکم حکم دے۔

کہاں ان کے نزدیک عورت مسجد میں نہیں آسکتی تھی اور کہاں یہ کہ اب اسے وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر بٹھا دیا ہے۔

مُردہ بولے نہ بولے نہیں تو کفن ہی پھاڑے

نفلی نماز گھر میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوا فی بیوتکم من صلوٰتکم ولا تتخذ وھا قبورا (عن ابن عمر بخاری ص ۱۵۸ ۱- مسلم ج ۱ ص ۲۶۵) اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بنا دو۔

قبرستان سے اس لیے مثال دی کہ وہاں نماز نہیں پڑھی جاتی صحاح ستہ کی روایات کے مطابق آپؐ کا عام معمول یہی تھا کہ نفلی نمازیں گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ آپؐ نے فرمایا صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ (عن زید بن ثابت۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۴۰۳) آدمی کا نفلی نماز گھر میں پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔

ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد الاشہل کی مسجد میں نماز مغرب ادا فرمائی۔ بعد میں لوگ نفل (یعنی سنتیں) پڑھنے لگے تو فرمایا ھذہ صلوٰۃ البیوت (عن کعب بن عجرہ۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۵۰۲) یہ نماز گھروں میں پڑھنے والی ہے۔

سُنّتوں کے لیے جگہ تبدیل کرنا

سائب بن یزید جمعہ پڑھ کر اسی جگہ سنتیں پڑھنے لگے تو انہیں دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ ایسے مت کرو جمعہ کے ساتھ کوئی نماز نہ ملاؤ یہاں تک کہ گفتگو کر لو یا نکل جاؤ۔ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بذلک ان لا نوصل صلوٰۃ بصلوٰۃ حتی نتکلم او نخرج (مسلم ج ۱ ص ۲۸۸) کیونکہ نبی علیہ السلام نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم نماز کو نماز کے ساتھ نہ ملائیں یہاں تک کہ گفتگو کر لیں یا

نکل جائیں۔

ایک دفعہ نبی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھ کر ایک صحابی نے معاً نماز شروع کر دی تو حضرت عمر رضؓ نے اسے روک دیا تو آپؐ نے فرمایا اصاب اللہ بک یا ابن الخطاب (ابوداؤد ج ۱ صہ ۳۸۵) اے ابن خطاب اللہ کی مہربانی سے تو نے ٹھیک بات کہی۔

اس بات کا خیال امام کو بھی رکھنا چاہیے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں من السنۃ اذا سلم الامام ان لا یقوم من موضعہ الذی صلی فیہ یصلی تطوعا حتیٰ ینحرف او یتحول او یفصل بکلام (بیہقی ج ۳ صہ ۱۹۱) امام نے جہاں نماز پڑھی ہو سنت یہ ہے کہ وہاں نفل نہ پڑھے اسے چاہیے کہ وہاں سے چلا جائے یا جگہ بدل لے یا کلام ہی کر لے۔

یعنی اوّل تو بہتر ہے انسان سنتیں گھر پہ پڑھے۔ اگر مسجد میں پڑھنا چاہے تو اسی جگہ نہ پڑھے۔ جگہ تبدیل کر لے۔ یا بات چیت کر لے یا کم از کم اس کی حرکات سے ظاہر ہو کہ وہ اس وقت نماز میں نہیں ہے حدیث نبوی کو اگر عام رکھا جائے تو میں سمجھتا ہوں نوافل کو نوافل کے ساتھ ملانے کا شبہ بھی نہیں گزرنا چاہیے۔ ان میں بھی فرق ڈال لینا چاہیے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے مکہ میں جمعہ کے بعد ذرا آگے ہو کر دو نفل پڑھے اور پھر اور آگے ہو کر چار نفل مزید پڑھے (عن عطاء۔ ابوداؤد ج ۱ صہ ۴۳۹)

عبداللہ بن عمر رضؓ کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جگہ بدلنے کے لیے پیچھے سرکنا ضروری نہیں۔ آگے بھی قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔

بلکہ ایک حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایعجز احدکم ان یتقدم او یتأخر او عن یمینہ او شمالہ۔ (عن ابی ہریرہ ابوداؤد ج ۱ صہ ۳۸۴) کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ (نفل پڑھنے کے لیے)

ذرا آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں ہو جایا کرو۔

مگر اس میں ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل مجہول ہے (عون المعبد صفحہ ۳۸۵)

علماء نے جگہ بدلنے کی حکمت یہ بیان کی ہے تاکہ روز قیامت زیادہ سے زیادہ مقامات اس کے اعمال کی شہادت دے سکیں۔

اوقات نماز پنجگانہ

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریلؑ نے دو بار بیت اللہ شریف کے پاس میری امامت کرائی۔ پہلے دن ظہر کی نماز پڑھائی جب سایہ تسمہ کے برابر تھا عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ ایک مثل تھا مغرب کی نماز پڑھائی غروب آفتاب کے بعد جب روزہ دار روزہ افطار کر لیتا ہے عشاء کی نماز پڑھائی جب سرخی غائب ہو گئی اور فجر کی نماز پڑھائی طلوع فجر کے وقت جب روزہ دار پہ کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اور دوسری بار ظہر کی نماز پڑھائی جب سایہ ایک مثل ہو گیا جس وقت کے پہلے دن عصر کی نماز پڑھی تھی۔ عصر کی نماز دو مثل سایہ ہونے پر مغرب کی نماز حسب سابق عشاء کی نماز تہائی رات گزرنے پر اور صبح کی نماز جب زمین روشن ہو گئی پھر جبریل نے میری طرف دیکھ کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ نبیوں کی نماز کا وقت ہے اور ان دو وقتوں کے درمیان وقت ہے۔ (ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۴۰)

یہ جو فرمایا دوسرے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب پہلے دن عصر پڑھی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے جب ظہر پڑھ کر فارغ ہوئے تو پھر عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ یہ نہیں کہ عصر کا وقت شروع ہونے کے بعد ظہر کی نماز

پڑھی ہو۔ کیونکہ صحیح مسلم ص۲۲۳ میں حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر ایک مثل سایہ تک عصر کا وقت ہو جانے سے پہلے پہلے عصر کا وقت سورج زرد ہو جانے سے پہلے تک مغرب کا وقت شفق کے موجود رہنے تک عشاء کا وقت آدھی رات تک اور فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے

عبداللہؓ بن عمرؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کے وقت میں بھی شفق کے موجود رہنے تک گنجائش ہے۔

قرآن و حدیث کی رُو سے ظہر کا وقت بالاتفاق سورج ڈھلنے کے متصل بعد شروع ہو جاتا ہے۔ ہدایہ میں بھی ہے واوّل وقت الظہر اذا زالت الشمس (ص۵۲) جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کے وقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

نیز نبی علیہ السلام کا فرمان ہے اذا اشتد الحر فابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم (عن ابی ہریرۃ بخاری ص۷۶ مسلم ص۲۲۴) زیادہ گرمی ہو جائے تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا سخت گرمیوں میں نماز ظہر تاخیر کر کے پڑھی جا سکتی ہے۔ (ہدایہ ص۵۳) میں بھی لکھا ہے والا براد بالظہر فی الصیف وتقدیمہ فی الشتاء۔ گرمیوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

مگر عمل ان کا یہ ہے کہ یہ سردیوں میں بھی اور گرمیوں میں بھی ظہر کی نماز نہایت دیر سے پڑھنے کے عادی ہیں۔ نہ جانے یہ ایسی ضدیں کیوں کرتے ہیں جن کی تائید خود ان کی اپنی کتابوں سے بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ گرمیوں کے بارے میں بھی حضرت خبابؓ سے ایک روایت آتی ہے اتینا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نشکونا الیہ حرالرمضاء فلم یشکنا (مسلم ص۲۲۵) ہم نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ریت بڑی گرم ہے تو آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہ فرمایا۔

علمائے کرام نے دونوں حدیثوں کے درمیان مختلف طرح سے تطبیق دی ہے اوّل یہ کہ سخت گرمیوں میں ابراد یعنی ٹھنڈا کر کے پڑھنا رخصت ہے۔ افضل تقدیم یعنی جلدی پڑھنا ہی ہے۔ دوم یہ کہ گرمیوں میں ابراد مستحب ضرور ہے۔ مگر زیادہ تاخیر مناسب نہیں۔ سوم یہ کہ ابراد والے مسئلے کا تعلق سفر سے ہے۔ حضر میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔

امام مسلمؒ اس حدیث کو جس عنوان کے تحت لائے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں استحباب تقدیم الظھر فی اوّل الوقت فی غیر شدۃ الحر۔ یعنی کم گرمی میں ظہر کو اوّل وقت میں پڑھنے کا مستحب ہونا۔ اور اس سے متصل پہلے جو باب ہے اس کے الفاظ یہ ہیں استحباب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر لمن یمضی الیٰ جماعۃ و ینالہ الحر فی طریقہ ص۲۲۴) سخت گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا استحباب اس شخص کے لیے جس نے جماعت کے لیے جانا ہو اور راستے میں گرمی لگنی ہو۔

نیز یاد رہے انتہائے وقت ظہر اور آغاز وقت عصر کے لیے دو مثل سائے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے ایک قول کے سوا دنیا میں کسی کا مذہب نہیں ہے۔ چنانچہ ہدایہ (ج ۱ ص۵۲) میں تحریر ہے وقالا اذا صار الظل مثلہ و ھو روایۃ عن ابی حنیفۃ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں ایک مثل سائے پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ غیر اہلحدیث احناف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے حضرت ابو ہریرہ کا یہ قول پیش کیا کرتے

ہیں، صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک۔
(موطا امام مالک صت۳) ظہر ایک مثل سایہ ہونے پر اور عصر دو مثل سایہ ہونے پر پڑھو۔
کیونکہ بات یہ ہے کہ یہاں نماز کا وقت آغاز نہیں وقت انتہا مراد ہے۔ خود اس کے حاشیہ میں لکھا ہے وھو بیان للوقت المندوب فی العصر لا اوّل وقتھا۔ مطلب یہ ہے کہ دو مثل سائے تک عصر کا منتخب وقت رہتا ہے یہ مطلب نہیں کہ دو مثل سایہ پر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔
ورنہ تو پھر اس قول کے مطابق ظہر کا وقت بھی ایک مثل سائے ہونے پر شروع ہونا چاہیے۔ جو کسی کا مذہب بھی نہیں ہے۔
حضرت ابوذرؓ سے روایت آئی ہے ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ سفر میں تھے مؤذن نے اذان دینی چاہی تو آپ نے سہ بار مکرر فرمایا ابرد یعنی ٹھنڈا کرو۔ حتی ساوی الظل التلول الخ یہاں تک کہ سایہ ریت کے ٹیلوں کے برابر ہوگیا اور فرمایا گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے (بخاری صت۸۷)
احناف کے خیال میں یہاں سے ثابت ہوا ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی جاری رہتا ہے لہٰذا عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے۔ ایک مثل کے بارے میں صریح احادیث کی موجودگی کے بعد اس قسم کے استدلال کی گنجائش نہیں رہتی ابوذرؓ والی حدیث کا مطلب یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھا جیسے ابن عباسؓ کی روایت پہلے بیان ہوئی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جبریلؑ نے ظہر کی نماز پہلے دن سورج ڈھلنے کے بعد پڑھائی اور اگلے دن سایہ ایک مثل ہونے پر (یعنی وقت عصر شروع ہونے سے پہلے) یا یہ مطلب ہے کہ فی الواقع بوجہ سفر اس روز عصر کے وقت میں ظہر کی نماز پڑھی گئی۔ جس کے ہم قائل ہیں اور حنفیہ قائل نہیں۔
نیز گزارش ہے کہ یہ حدیث مختلف سندوں کے ساتھ بخاری شریف میں

تین اور مقامات پر بھی بیان ہوئی ہے بلکہ مسلم شریف (صـ۲۲۴) میں بھی ہے۔
بخاری شریف میں دو جگہ صـ۷۷ پر ایک جگہ صـ۴۶ پر۔ کہیں بھی سایہ برابر ہونے
کے الفاظ نہیں۔ صرف یہ الفاظ ہیں حتیٰ رأینا فئی التلول۔ کہ ہم نے ٹیلوں کا
سایہ دیکھا۔ یا صـ۴۶ پر یہ الفاظ ہیں حتیٰ فاء الفئی یعنی للتلول یہاں تک کہ
ٹیلوں کا سایہ ہوگیا اس لیے صـ۸۷ والی روایت کے مطابق ہوسکتا ہے راوی نے
ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں جس سے ایک مثل سائے کا شک پڑتا ہے
جب کہ حقیقت میں وہ مثل مراد نہ ہو جو اصطلاحًا مطلوب ہے۔
اپنے مسلک کی انہی کمزوریوں کے پیش نظر احناف کو بہت دُور کی سوجھی ہے
فرماتے ہیں :۔
احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کی نماز پہلی مثل کے اندر اور عصر کی نماز دو مثل کے
بعد پڑھی جائے۔ تاکہ اجماعی اوقات میں نماز ادا ہو (نماز مدلل از مولانا فیض احمد
گکڑوی صـ۴۱ بحوالہ شامی ج ا فتح القدیر ج ا صـ۲۲ بحر الرائق ج ا صـ۲۵۸)
ان کا مقصد یہ ہے ایک مثل سے لے کر دو مثل سایہ ہونے تک کوئی نماز
نہ پڑھی جائے۔ ظہر اس لیے نہ پڑھی جائے کہ وہ صاحبین کا مذہب نہیں ہے
اور عصر اس لیے نہ پڑھی جائے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب نہیں ہے۔
حالانکہ نبی علیہ السلام کا صاف ارشاد ہے وقت الظھر ما لم یحضر العصر
(عن عبداللہ بن عمر۔ مسلم صـ۲۲۳) ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب
تک کہ عصر کا وقت نہیں ہو جاتا۔ معلوم ہوا دونوں وقتوں کے درمیان کوئی
حد فاصل نہیں ہے۔ یہ احتیاطی مسئلہ وضع کرنے سے خود حنفیہ کو بھی دقت پیش
آسکتی ہے۔ یہ لوگ جمع بین الصلاتین والی حدیثوں کو جمع صوری پر محمول فرماتے
ہیں۔ میں پوچھتا ہوں اس مسئلہ کی موجودگی میں کیا جمع صوری کا بھی امکان باقی
رہ جاتا ہے؟
اصل میں بات یہ ہے کہ یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔

یہ ڈرتے ہیں کہیں ان کی رُوح ان سے رُوٹھ نہ جائے یحبونھم کحب اللہ ۔ میرے بھائی جہاں بیسیوں مسائل میں آپ انہیں ناراض کر چکے ہیں تو ایک یہ بھی سہی اور پھر سینکڑوں مسائل میں امام صاحبؒ سے اختلاف کر کے اگر صاحبینؒ کا ایمان محفوظ رہ گیا ہے تو بے فکر رہیں آپ کے ایمان کا بھی کچھ نہیں بگڑے گا ۔ انشاء اللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کتنی جلدی پڑھ لیتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے ۔

یصلی العصر والشمس مرتفعۃ حیۃ فیذھب الذاھب الی العوالی فیاتیھم والشمس مرتفعۃ حیۃ وبعض العوالی من المدینۃ ..... علی اربعۃ امیال او نحوہ (عن انس بخاری ص۷۸ مسلم ص۲۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ٹھیک ٹھاک بلند ہوتا تھا بلکہ عصر کی نماز پڑھ کر کوئی جانے والا بطرف نجد اُوپر والی مضافاتی لبتیوں کی طرف جاتا تو ابھی تک سورج بلند اور قائم ہوتا ۔ اور بعض لبتیاں مدینہ سے چار میل دُور ہوتیں ۔

صبح کی نماز کے بارے میں بھی احناف کا رویہ بڑا عجیب ہے ۔ یہ گیارہ مہینے اس کو دیر سے پڑھتے ہیں اور ماہِ رمضان میں بالعموم جلدی پڑھ لیتے ہیں ۔ پتہ نہیں اس میں کیا حکمت ہے ۔ اگر خوب روشن کر کے پڑھنا افضل ہے تو افضل مہینے میں غیر افضل کام تو نہیں کرنا چاہیے ۔ صحاح ستہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلس یعنی اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھتے تھے ۔ امام ترمذیؒ نے اس کو بہت سے صحابہ کرام کا جن میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں اور تابعینؒ کا اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاق کا پسندیدہ مذہب قرار دیا ہے (ج ا ص۱۴۳) امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں ۔

ایک حدیث شریف میں ہے اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔

(عن رافع بن خدیج ترمذی ص۱۴۴) فجر کو روشن کرو اجر زیادہ ملے گا۔
امام ترمذی نے اسے بھی بہت سے صحابہ و تابعین کا مسلک بتلایا ہے۔
حنفیہ اسی سے دلیل پکڑتے ہیں اور اس سے دن کی روشنی مراد لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام اسحٰق فرماتے ہیں معنی الاسفار ان یضح الفجر فلا یشك فیه ولم یروا ان معنی الاسفار تاخیر الصلوٰۃ (ترمذی ص۱۴۵)
اسفار کا معنی یہ ہے کہ فجر واضح ہو جائے اور اس میں شک نہ رہے۔ اسفار کا معنی نماز میں تاخیر نہیں۔
حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور امام طحاوی نے شرح الآثار میں غلس اور اسفار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ نماز کو شروع غلس میں اور ختم اسفار میں کیا جائے۔
اس بات میں بھی وزن محسوس ہوتا ہے۔ ایک محقق نے کیا خوب فرمایا ہے بے شک آپ کا عمل عام طور پر غلس اور اندھیرے میں نماز پڑھنے کا تھا لیکن عوام کی سہولت کے لیے آپؐ نے ہی امت کو اسفار میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے تو آپؐ کے ارشاد کی وجہ سے اُمت کے لیے اسفار میں پڑھنا افضل ہے (نماز مدلل ص۴ بحوالہ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ج ا ص۸)
شکر ہے حنفیہ نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ کا عمل غلس میں نماز پڑھنے کا تھا۔ اب بجائے اس کے کہ امت کا عمل آپؐ کے عمل سے مختلف کیا جائے کیوں نہ اسفار کا ترجمہ ہی صحیح کر لیا جائے یا کم از کم غلس اور اسفار میں تطبیق دے لی جائے
بہرحال حضور علیہ السلام کا جو عام معمول تھا وہ ان احادیث سے ملاحظہ فرمایئے
کان ینفتل من صلوٰۃ الغداۃ حین یعرف الرجل جلیسه ویقراء بالستین الی المأۃ (عن ابی برزۃ الاسلمی۔ بخاری ص۷۷ مسلم ص۲۳۰)
آپ صبح کی نماز سے اس وقت فارغ ہوتے جب آدمی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے

(ہمنشیں) کو پہچاننے لگتا تھا۔ آپ نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تک تلاوت فرماتے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطھن ما یعرفن من الغلس (عن عائشہ۔ بخاری مسلم ص۲۳) نبی علیہ السلام صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نکلتیں۔ وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

مسجد نور (چھپڑ والی) گوجرانوالہ کے خطیب صوفی عبدالحمید صاحب سواتی ایک طرف تو ہدایہ ص۵۳ کے حوالہ سے یہ فرماتے ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ فضیلت اسفار میں ہے اور دوسری جانب اپنا مسئلہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ تمام نمازی فجر کی نماز کے لیے غلس میں اکٹھے ہو جائیں تو پھر غلس میں پڑھنا افضل ہوگا۔ (نماز مسنون کلاں ص۱۸) نہ جانے یہ تقلید کی کونسی قسم ہے۔ میرے بھائی یہ گھڑیوں اور لاؤڈ سپیکروں کا دور ہے اور یہ علمائے کرام کے سوچنے کا مسئلہ ہے کہ وہ کسی نماز کے لیے کونسا وقت مقرر کرتے ہیں۔ وہ جو ٹائم ٹیبل بھی مقرر فرمائیں گے نمازی اس کے مطابق اکٹھے ہو جائیں گے۔ عوام کو غلس اور اسفار کی بحث سے کوئی غرض نہیں ہے۔

مسجد میں دوبارہ جماعت

جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ (عن ابی سعید الخدری (ترمذی ج ۱ ص۱۸۹) نبی علیہ السلام نماز پڑھ چکے تھے کہ ایک شخص آیا تو آپ نے فرمایا کون ثواب لے گا تو ایک شخص نے اسے نماز پڑھا دی۔

اس کے برخلاف نبی علیہ السلام کا کوئی فرمان نہیں ہے۔ اس حدیث سے دوبارہ جماعت کا جواز ثابت ہوا۔ البتہ فقہ حنفی اس مسئلے کو ماننے سے انکار کر

ہے ۔ گو اب یہ مسئلہ بھی احناف کے بس سے باہر ہو گیا ہے اور اب ان کے ہاں بھی سب چلتا ہے ۔ بُرا نہ مانیئے تو کہوں یہ بھی فقہ حنفی کی پے در پے شکستوں میں سے ایک شکست ہے ۔

نیز معلوم ہونا چاہیے ..... جماعت کرانے کے لیے ضروری نہیں کہ امامت کے لیے باقاعدہ کوئی صاحب دستیاب ہوں ۔ کوئی نمازی نماز میں مصروف ہو آپ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں تب بھی جماعت ہو سکتی ہے ۔

امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے اذا لم ینوال امام ان یوم ثم جاء قوم فامھم ۔ اس کے تحت حضرت ابن عباس سے یہ روایت لائے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہؓ (ام المومنین) کے ہاں ٹھہرا ۔ نبی علیہ السلام اُٹھ کر تہجد پڑھنے لگے ۔ تو میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے پکڑ کر دائیں طرف کر لیا (بخاری صـ۹۷)

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار دیواری میں قیام اللیل فرما رہے تھے ۔ دیوار چونکہ چھوٹی تھی اس لیے حضور کو دیکھ کر صحابہ کرام آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے ۔ الحدیث (بخاری صـ۱۰۱)

یہ مسئلہ تقریباً متفق علیہ ہے ۔ اور اس میں نفلی اور فرضی نماز کا کوئی امتیاز نہیں ہے ۔

مفترض متنفل کی اقتداء میں

اوپر ابو سعید خدریؓ کی روایت گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیب دلانے سے ایک آدمی نے ایک آدمی کو باجماعت نماز پڑھائی ۔ یعنی دوسری جماعت (ترمذی ج ۱ صـ۱۸۹) بیہقی کی روایت کے مطابق وہ ابوبکر صدیقؓ تھے نصب الرایۃ زیلعی حنفی میں بھی حضرت ابوبکر کا نام لکھا ہے ۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے پہلے نبی علیہ السلام کی اقتداء میں اپنی نماز پڑھ چکے تھے ۔ اس سے ثابت ہوا متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا صحیح ہے ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے ان معاذ بن جبل کان یصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء الاخرۃ ثم یرجع الی قومہ فیصلی بہم تلک الصلوٰۃ (بخاری ص۹۸ مسلم ج ا ص۱۸۷)

حضرت معاذؓ نبی علیہ السلام کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو یہی نماز پھر انہیں پڑھاتے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں (ہدایہ ص۱۸۷) وہ اپنا مسلک ثابت کرنے کے لیے حدیث کو تاویل کی نذر کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ہو سکتا ہے وہ نبی علیہ السلام کے پیچھے نفلی نماز پڑھتے ہوں۔ یا ہو سکتا ہے حضورؐ کو اس چیز کی خبر نہ ہو (علم غیب؟) یا ہو سکتا ہے یہ حدیث منسوخ ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کل ھذہ التاویلات دعاوی لا اصل لہ۔ (شرح مسلم ج ا ص۱۸۷) یہ تمام تاویلیں بے بنیاد دعوے ہیں امام نسائی نے اس حدیث پر باقاعدہ یہ عنوان باندھا ہے اختلاف نیۃ الامام والماموم (ص۹۶) امام اور مقتدی کی نیت کا مختلف ہونا۔

ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض

اس بارے میں حضورؐ سے کچھ مروی نہیں۔ شافعیہ اس قسم کی اقتداء کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ حنفیہ جائز نہیں سمجھتے۔ شافعیہ کی بات اقرب الی الصحت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب نفل کے پیچھے فرض جائز ہیں تو ایک فرض کے پیچھے دوسرے فرض کیوں نہیں جائز ہوں گے۔

اس بات کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ایک شخص نے ظہر کی نماز ابھی پڑھنی ہے۔ مسجد میں آیا تو عصر کی نماز تیار ہے۔ اب اسے دونوں طرح اختیار ہے۔ چاہے تو خلافِ ترتیب عصر پڑھ کر بعد میں ظہر پڑھ لے۔

جیسا کہ فرائض کی قضا میں بیان ہوا ۔ یا مطابق ترتیب امام کے ساتھ ظہر پڑھ کر بعد میں اپنی عصر پڑھ لے حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں ہیں۔

لیکن اگر کسی نے مغرب کی نماز ابھی پڑھنی ہے اور عشاء کی نماز کھڑی ہو گئی ہے تو اسے جماعت کے ساتھ عشاء پڑھ کر مغرب بعد میں پڑھنی چاہیے کیونکہ تھوڑی رکعتوں کے پیچھے زیادہ رکعتیں پڑھنے کا تو احادیث میں ثبوت ہے جیسے مسافر کے پیچھے مقیم ۔ مگر زیادہ رکعتوں کے پیچھے تھوڑی رکعتیں پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے۔

بچّے کی امامت

بخاری شریف (ص۶۱۵) میں روایت ہے عمرو بن سلمہ رضؓ کا خاندان شارع عام پر آباد تھا گزرنے والے مسلمانوں سے سُن سُن کر عمرو بن سلمہ رضؓ پہلے ہی کافی قرآن سیکھ چکے تھے ۔ فتح مکہ کے بعد جب ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو نبی علیہ السلام کی اس ہدایت کے مطابق کہ تمہاری امامت وہ کرائے جو زیادہ قرآن مجید پڑھا ہوا ہو ان کی نظر انتخاب عمرو بن سلمہ پر پڑی عمرو بن سلمہ کہتے ہیں میں اس وقت چھ یا سات برس کا تھا ۔ میرے پاس صرف ایک چادر تھی جو سجدہ کے وقت اکٹھی ہو جاتی تھی ۔ تو قبیلہ کی ایک عورت نے کہا ۔ کیا تم اپنے قاری صاحب کے ستر کو ہم سے نہیں چھپاؤ گے ۔ تو انھوں نے مجھے قمیص بنوا کر دی جس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔

اس روایت سے ثابت ہوا عہد نبویؐ میں بچے کے پیچھے نماز پڑھی گئی ہے ۔ زمانہ نزول قرآن میں ایک کام کا ہونا اور اس سے منع نہ کیا جانا

محدثین کے نزدیک حکماً مرفوع تقریری حدیث کا درجہ رکھتا ہے (شرح نخبۃ الفکر ص۲۲) حنفیہ کے نزدیک بچے کے پیچھے فرضی یا نفلی کوئی نماز بھی جائز نہیں (ہدایہ ص۸۵)

عمرو بن سلمہ والی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ بچے تھے۔ ان کا کیا اعتبار۔ گزارش ہے کہ جس وقت وہ روایت بیان کر رہے تھے اس وقت تو وہ بچے نہیں تھے۔ نیز اگر وہ بچے تھے تو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے تو بچے نہیں تھے۔ کبھی کہتے ہیں ہو سکتا ہے حضورؐ کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو۔ اس بات کا تحقیقی جواب تو شروع میں آ گیا۔ ایک الزامی جواب بھی سُن لیجیے۔ وہ یہ کہ کم از کم ہمارے ہاں کے احناف کو ایسی تاویل زیب نہیں دیتی۔ دیوبندیوں اور بریلویوں کے مشترکہ پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:۔

ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ مقید بہ یک زمان نیست۔ پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دُور است اما از روحانیت او دُور نیست (امداد السلوک۔ مصنفہ رشید احمد گنگوہی ص۱۰۱) مرید کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ شیخ کی رُوح ایک زمانے میں قید نہیں ہوتی۔ مرید جہاں کہیں بھی ہو، شیخ سے نزدیک ہو یا دُور شیخ کی روحانیت اس سے دُور نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کیا نبی علیہ السلام سے بڑھ کر بھی کوئی شیخ اور مرشد ہے؟

عورتوں کیلئے عورت کی امامت

ام ورقہ بنت نوفل کے متعلق روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر شہادت کے شوق میں بطور نرس فرائض انجام دینے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام

سے جہاد میں شمولیت کی اجازت چاہی آپؐ نے فرمایا تم اپنے گھر میں رہو اللہ تعالی تمہیں شہادت عطا فرمائے گا - چنانچہ (زندگی میں ہی) ان کا نام شہیدہ پڑ گیا - وہ قاریہ تھیں انھوں نے نبی علیہ السلام سے اپنے گھر میں مؤذن رکھنے کی اجازت مانگی جو آپؐ نے دے دی - اُم ورقہ نے اپنے ایک غلام اور ایک لونڈی کو کہہ رکھا تھا کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو گے - انہوں نے ایک رات انہی کی چادر کے ساتھ انہیں دم گھونٹ کر مار ڈالا اور فرار ہو گئے - حضرت عمرؓ نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا اور انہیں پکڑ کر سولی چڑھایا گیا - یہ مدینہ میں پہلی سولی تھی - اس سے متصل اگلی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں نبی علیہ السلام نے اُم ورقہ کو حکم دیا کہ تم اپنے اہل خانہ کی امامت کرایا کرو - راوی عبدالرحمٰن بن خلاد کہتے ہیں میں نے ان کے مؤذن کو دیکھا تھا جو بہت بوڑھا آدمی تھا (ابو داؤد ج ا ص ۲۲۳)

اس سے ثابت ہوا عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے اور ایسی جماعت کے لیے مرد کو مؤذن بھی مقرر کیا جا سکتا ہے - چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی اگلی صف کے وسط میں کھڑا ہو کر عورتوں کی امامت کرانا ثابت ہے - (مصنف عبدالرزاق مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ) - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تؤم المرأۃ النساء تقوم وسطھن (بیہقی ج ۳ ص ۱۳۱) عورت وسط میں کھڑی ہو کر عورتوں کی امامت کرائے -

صاحب سبل السلام لکھتے ہیں ام ورقہ والی حدیث دلیل ہے کہ عورت اپنے گھر والوں کی امامت کرا سکتی ہے چاہے اس میں مرد بھی موجود ہوں.... ظاہر ہے کہ اُم ورقہ اپنے بوڑھے مؤذن اور غلام اور لونڈی کی امامت کرایا کرتی تھیں - یہی مذہب ہے ابو ثور اور مزنی اور طبری کا - جمہور اس کے خلاف ہیں (ج ۲ ص ۲۵)

جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے - یہ حدیث عورت کی امامت پر بے شک

دلیل ہے مگر اس میں اس بات کا ہرگز کوئی ذکر نہیں کہ ام ورقہ کے مقتدیوں میں کوئی مرد بھی شامل ہوتا تھا۔

حنفیہ عورت کی امامت کے قائل نہیں۔ ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لانھا لاتخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ (ہدایہ ج ۱ ص ۸۴) تنہا عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ایک حرام فعل کا ارتکاب پایا جاتا ہے اور وہ ہے امام کا صف کے وسط میں کھڑا ہونا اور یہ مکروہ ہے ایسے ہی جیسے کہ ننگوں کی جماعت۔

سنت کا مذاق اڑانا اور اس کے مقابلے میں فقہ جھاڑنا حنفیوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ اس مسئلے میں انھوں نے جو فقہ جھاڑی ہے وہ خود ان کی اپنی فقہ کے خلاف ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۸ میں لکھا ہے امام دو مرد مقتدیوں کے وسط میں کھڑا ہو جائے تو نماز جائز ہے۔ یعنی ان کے نزدیک تین نمازیوں کی صورت میں مرد امام بھی وسط میں کھڑا ہو سکتا ہے عورت کی تو بات ہی جانے دیجیے پھر ہدایہ میں آگے لکھا ہے وان فعلن قامت الامام وسطھن لان عائشۃ فعلت کذلک۔ اگر عورتیں جماعت کرائیں تو امام وسط میں کھڑا ہو اس لیے کہ حضرت عائشہؓ نے ایسے ہی عمل کیا تھا (بحوالہ مستدرک حاکم)۔

حیرت ہے ایک طرف کہتے ہیں امام کا وسط میں کھڑا ہونا حرام ہے دوسری طرف کہتے ہیں اگر عورتیں جماعت کرائیں تو امام عورت وسط میں کھڑی ہو۔ معلوم ہوتا ہے انہیں پہلے ہی سوجھ گئی تھی کہ ان کے غلط مسئلے پر عورتوں نے عمل تو کرنا نہیں اس لیے اصل بات بھی بتلا ہی دو۔

مرد کا عورتوں کو جماعت کرانا

ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لائے میں نے عرض کیا یارسول اللہ آج رات میں نے ایک عمل کیا ہے فرمایا کیا میں نے کہا ہمارے گھر کی عورتوں نے مجھے کہا کہ تم قرآن پڑھے ہوئے ہو اور ہم نہیں پڑھی ہوئیں ہمیں جماعت کرا دو تو میں نے انہیں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائے۔ حضورؐ خاموش رہے۔ تو ہم نے ان کی خاموشی کو ان کی رضا پر محمول کیا (ابو یعلیٰ، طبرانی اوسط بحوالہ عون المعبود ج ۱ ص ۲۳۱)

مسبوق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون واتوھا تمشون وعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۲۲۰ بخاری ص ۸۸) نماز کھڑی ہو جائے تو اس کی طرف دوڑ کر نہیں چل کر اور سکون کے ساتھ آؤ جتنی نماز مل جائے پڑھ لو اور جتنی رہ جائے اسے پورا کر لو۔ اس سے اگلی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں فان احدکم اذا کان یعمد الی الصلوٰۃ فھو فی صلوٰۃ۔ جب تم نماز کی طرف جاتے ہو تو گویا نماز ہی میں ہوتے ہو۔ (مسلم)

سوال یہ ہے بعد میں آنے والا مقتدی امام کے ساتھ جو رکعتیں پڑھتا ہے وہ اس کی پہلی شمار ہوتی ہیں یا پچھلی۔ اگر پہلی شمار کی جائیں جیسا کہ شافعیہ اور جمہور علمائے سلف وخلف کا مسلک ہے (نووی) تو مقتدی کی رکعت اور ہے اور امام کی اور۔ اور اگر پچھلی شمار کی جائیں جیسا کہ احناف کا خیال ہے تو الٹی ترتیب پر ایمان لانا پڑتا ہے۔

حدیث کا لفظ اتموا، اول الذکر مسلک کی تائید کرتا ہے کیونکہ پورا کرنے کا تعلق باقی حصے سے ہوتا ہے۔ ایک روایت میں واقض ما سبقک

(عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ مسلم ص۲۲) اور ایک روایت میں واقضوا ما سبقکم (عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ - ابوداؤد ج ا ص۲۲۴) کے الفاظ بھی ہیں اصطلاحًا قضا کا تقاضا یہ ہے جو رکعتیں امام کے ساتھ نہیں پڑھی جا سکیں انہیں بعد میں پڑھا جائے - مگر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ نووی نے شرح مسلم ص۲۲ میں لفظ اتموا کو ترجیح دی ہے کیونکہ اکثر روایات میں یہی لفظ ہے - واقضوا بھی اگر مان لیا جائے تو امام نووی جمہور کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ صرف فعل کے معنی میں ہے جیسے قرآن مجید کی یہ آیات ہیں فقضاهن سبع سموات (حم السجدۃ - ۱۲) فاذا قضیت الصلوٰۃ (الجمعہ - ۱۰) فاذا قضیتم مناسککم (البقرہ ۲۰۰)

مسئلہ آسان بھی تبھی رہتا ہے اگر آخری رکعتوں کو آخری سمجھا جائے - مثلاً جس کی ایک رکعت رہ جائے وہ آخر میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرتا ہے - اگر حنفی مسلک کے مطابق اسے پہلی رکعت تصور کیا جائے تو پہلی رکعت میں تشہد کہاں ہوتا ہے - اصولاً اسے بغیر تشہد پڑھے سلام پھیر دینا چاہیے کیونکہ وہ اپنی آخری رکعت تشہد سمیت امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے -

یا ایک شخص کو مثلاً امام کے ساتھ مغرب کی ایک رکعت ملی - اب اُٹھ کر اس نے بقایا دو رکعتیں پڑھنی ہیں حنفی اصول کے مطابق اسے پہلی رکعت میں نہیں بیٹھنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے نزدیک پہلی رکعت ہے اور پہلی رکعت میں تشہد نہیں ہوتا - مگر یہ بیٹھتے ہیں - یہ سمجھ کر کہ اس نے دو رکعت پڑھ لی ہیں - بے شک اس نے دو رکعت پڑھ لی ہیں - مگر رکعت بھی دوسری ہونی چاہیئے - اس مشکل کا ان کے پاس کوئی حل نہیں ہے -

اہلحدیث کو اس سلسلہ میں کوئی پریشانی نہیں ہے - البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے جس شخص کو امام کے ساتھ آخری رکعت ملی اسے اگر اس کی پہلی

رکعت کہا جائے تو اسے بھی اپنی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ تشہد بیٹھنا پڑتا ہے تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ امام کی اقتداء ضروری ہوتی ہے۔

مسبوق کے متعلق ایک افواہ بھی پھیلا دی گئی ہوئی ہے کہ وہ امام کے ساتھ آخری قعدہ میں صرف تشہد پڑھے درود شریف اور دُعائیں نہ پڑھے۔ بظاہر اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے چونکہ یہ مقتدی کا آخری قعدہ شمار نہیں، اس لیے اسے صرف تشہد پر اکتفا کرنا چاہیے۔ گزارش یہ ہے کہ جو شخص مثلاً امام کے ساتھ کسی رکعت میں اس وقت شامل ہو جب اس کی رکعت شمار نہیں ہوتی تو وہ امام کی اقتداء میں رکوع وسجود اور دیگر نقل وحرکت میں سب کچھ کرتا اور پڑھتا ہے تو التحیات مکمل پڑھنے سے کیا بیر ہے بلکہ امام کے ساتھ آخری قعدے میں اگر مقتدی کا درمیانہ قعدہ نہ بنتا اور شمار ہوتا ہو تو پھر تشہد تک پڑھنے کا بھی کیا جواز ہے۔ اگر یہ افواہ حنفیہ کی طرف سے پھیلائی گئی ہے تو عرض ہے کہ ان کے نزدیک تو جو رکعت امام کی ہے سو رکعت مسبوق کی ہے۔ امام کا آخری قعدہ مسبوق کا آخری قعدہ ہے پھر اپنے اصول کے مطابق یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف تشہد تک پڑھے آگے نہ پڑھے۔ ویسے عام حالات میں یہی ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام درمیانے قعدے میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ (عن ابن مسعود مسند احمد ج ا صفحہ ۴۰۶)

دوبارہ نماز

دو آدمی فجر کی جماعت میں شامل نہ ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر انھوں نے بتلایا کہ وہ گھر سے نماز پڑھ کر آئے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا لا تفعلا اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھا لکما نافلۃ (عن یزید بن اسود ترمذی صفحہ ۱۸۸) ایسے نہ کرو۔ تم اگر گھر سے نماز پڑھ کر مسجد میں آؤ۔ وہاں جماعت مل جائے تو اس میں شامل ہو جایا کرو وہ تمہاری نفلی نماز ہو گی۔

احناف وغیرہ کا خیال ہے اگر پہلے نماز با جماعت پڑھی ہو تو پھر نہ دہرائی جائے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک جماعت میں شامل نہ ہوئے تو راوی سلیمان نے ان سے کہا کیا آپ نماز نہیں پڑھیں گے تو جواب دیا میں نماز پڑھ چکا ہوں کیونکہ میں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے سُنا ہے لاتصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین (ابوداؤد ص۲۲۶) ایک دن میں کوئی نماز دو بار نہ پڑھو۔

یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اگر پہلے اکیلے پڑھی ہو تو پھر دہرا لی جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان یوں پھر تطبیق دی ہے کہ بطور فرض دہرانا منع ہے نہ کہ بطور نفل (نیل الاوطار ج ۳ ص۱۶۴ وعون المعبود ج ۱ ص۲۲۶)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں ظاھرہ عدم الفرق بین ان تکون الاولی جماعۃ او فرادی (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۱۸۹) پہلے نماز باجماعت پڑھی ہو یا اکیلے حدیث کی رُو سے بظاہر اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مؤطا امام مالک ص۴۶ میں بھی روایت ہے کہ محجن نامی ایک صحابی جو گھر سے نماز پڑھ کر آئے تھے اور نبی علیہ السلام کے ساتھ جماعت میں شامل نہ ہوئے تھے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

اذا جئت فصل مع الناس وان کنت قد صلیت۔

.... اگر نماز پڑھ کر مسجد میں آؤ۔ جماعت مل جائے تو اس میں شامل ہو جاؤ۔

عبداللہ بن عمرؓ والی حدیث کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے ابن عمرؓ پہلے کسی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ چکے ہوں۔ ایسی صورت میں واقعی دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف ظہر اور عشاء کی نمازیں ہیں۔

کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنا منع ہے اور جہاں تک مغرب کی نماز کو دہرانے کا معاملہ ہے سو تین نفل پڑھنا مشروع نہیں ہیں۔

اس بات کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ زیر بحث حدیث ہے ہی صبح کی نماز کے بارے میں۔ باقی یہ کہنا کہ نفل تین نہیں ہوتے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ وتر سوائے امام ابو حنیفہ رح کے ایک انفرادی قول کے سب کے نزدیک نفل ہیں۔ یاد رہے امام مالک رح بھی نماز مغرب کے اعادہ کو جائز نہیں سمجھتے (موطا ص۴۷) مگر نبی علیہ السلام جب ایک بات عام فرماتے ہیں تو کسی کو اس میں تخصیص کا کیا حق ہے۔

شافعیہ کے نزدیک پہلی نماز نفل میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دوسری نماز فرض قرار پاتی ہے۔ ان کی دلیل یزید بن عامر سے مرفوع روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ان كنت قد صليت تكن لك نافلة وهذه مكتوبة (ابو داؤد ص۲۲۵) اگر تم پہلے نماز پڑھ چکے ہو تو وہ نفل ہو گی اور یہ فرض۔ اس روایت کو نووی رح اور دار قطنی رح نے ضعیف کہا ہے (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۱۸۹) نیز وہ اور یہ کا مرجع بالعکس بھی ہو سکتا ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے۔ نبی علیہ السلام نے حضرت ابو ذر رض سے فرمایا جب امراء نمازوں میں تاخیر کرنے لگیں تو صل الصلوٰة لوقتها فان ادركت معهم فصل فانها لك نافلة (مسلم ج ۱ ص۲۳۰) تم نماز وقت پر پڑھ لینا۔ پھر اگر ان کے ساتھ جماعت مل جائے تو اس میں بھی شامل ہو جانا وہ تمہاری نفل ہو گی۔

یاد رہے یہ سارا معاملہ صرف اس صورت میں ہے جب مسجد کے علاوہ نماز پڑھی ہو۔ مسجد کے بیچ میں با جماعت پڑھنے کے بعد دہرانے کی ضرورت نہیں۔ نیز دوسری جماعت جس میں شامل ہو کر نماز کو دہرانا مقصود ہے وہ بھی مسجد کی پنجوقتہ نمازوں میں سے کوئی نماز ہونی چاہیے۔ احادیث

سے ایسا ہی ثابت ہے ۔ تاہم منع بھی نہیں ۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھتے اور پھر اپنے محلے کی مسجد میں عشاء کی امامت فرماتے ۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونا

ایک آدمی نے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دہرانے کا حکم دیا (عن وابصہ بن معبد ۔ ترمذی ج ۱ صد ۱۹۴ ابوداؤد صد ۲۵۴) اس سے ثابت ہوا پیچھے اکیلا کھڑا ہونے والا نہ صرف جماعت کے ثواب سے محروم رہتا ہے بلکہ سرے سے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی ۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ہو جاتی ہے ۔ دلیل میں حضرت انسؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام نے ان کے گھر میں جماعت کرائی تھی ۔ صف کے پیچھے ان کی والدہ ماجدہ تنہا کھڑی تھیں ، (بخاری صد ۱۰۱ مسلم صد ۲۳۴) مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ عورتوں کو مردوں کی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے ۔

اسی طرح حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں قیام فرما رہے تھے ۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا ایک اور آدمی آ کر میرے ساتھ کھڑا ہو گیا پھر ایک اور آ گیا حتیٰ کہ ہم جماعت بن گئے ۔ جب نبی علیہ السلام کو محسوس ہوا کہ ہم بھی آپ کے پیچھے ہیں تو آپؐ نماز مختصر کر کے اندر تشریف لے گئے ۔ (مسند احمد ج ۳ صد ۱۹۳)

کہتے ہیں حضرت انسؓ چونکہ پہلے تنہا پیچھے کھڑے ہوئے تھے اس لیے ثابت ہوا کہ اس طرح نماز ہو جاتی ہے ۔

لیکن اس حدیث میں وضاحت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز

پڑھ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے آپ گھر کی چار دیواری کے اندر مصروف نماز ہوں تو اس صورت میں بھی پیچھے اکیلا کھڑا ہونا مجبوری ہے جیسے پہلے روایت گذری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار دیواری میں قیام اللیل فرما رہے تھے دیوار چونکہ چھوٹی تھی اس لیے حضورؐ کو دیکھ کر صحابہ کرام آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے (عن عائشہؓ بخاری ۔ باب اذا کان بین الامام وبین القوم حائط او سترۃ ص۱۰۱)

ابوبکرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں پہنچے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ رکوع میں پایا تو یہ صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا ذکر کیا گیا تو فرمایا زادک اللہ حرصا ولا تعد (بخاری ص۱۰۸) اللہ تعالیٰ تیرا شوق زیادہ کرے ۔ آئندہ ایسا نہ کرنا ۔

بقول ان کے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا ۔ اس لیے ثابت ہوا کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز ہو جاتی ہے حنفیہ اس سے ایک اور ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں ۔ وہ یہ کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے ۔

مگر حدیث میں اس چیز کا ذکر نہیں کہ ابوبکرہؓ نے اس رکعت کو شمار کیا تھا یا نہیں ۔ تاہم نبی علیہ السلام نے منع فرما دیا کہ آئندہ ایسے نہیں کرنا ۔ اگر محض لوٹانے کا حکم نہ دینے سے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کا جواز اور فاتحہ خلف الامام کی نفی ثابت ہو جاتی ہے تو پھر نماز میں گفتگو بھی جائز ہو جانی چاہیے ۔ کیونکہ معاویہ بن حکم سلمیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے پیچھے نماز میں باتیں کیں تو آپ نے بعد میں نہایت احسن طریقے سے سمجھایا کہ نماز میں باتیں نہیں کیا کرتے ۔ لوٹانے کا حکم حضورؐ نے انہیں بھی نہیں دیا تھا (بیہقی ج ۲ ص۲۵۰ ومسلم ج ۱ ص۲۰۳)

میں کہتا ہوں اگر حضورؐ لوٹا نے کا حکم دے بھی دیتے تو اس سے ان کی صحت پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ وابصہ بن معبد والی روایت میں لوٹا نے کا باقاعدہ حکم موجود ہے اسے انھوں نے کونسا تسلیم کرلیا ہے۔

اگر صف میں جگہ نہ ہو تو کچھ لوگ آگے سے ایک نمازی کو سرکا لیتے ہیں۔ کیونکہ ایک روایت اس طرح آتی ہے رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا صلی خلف الصفوف وحدہ فقال ایھا المصلی وحدک الا وصلت الی الصف او جررت الیک رجلا فقام معک اعد الصلوٰۃ (عن وابصہ بن معبد۔ طبرانی۔ بیہقی ج ۳ ص ۱۰۵) ایک آدمی نے صف کے پیچھے (اکیلے) نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا اسے نمازی تو صف میں کیوں نہ داخل ہوا یا صف میں سے ایک آدمی کھینچ لیا ہوتا جو تیرے ساتھ نماز پڑھتا۔ اپنی نماز لوٹاؤ۔ مگر یہ بالکل ضعیف ہے۔

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے اگر اگلی صف میں گنجائش نہ ہو تو پھر پیچھے اکیلے نماز ہو جاتی ہے کیونکہ جس طرح ام انسؓ کی نماز اس لیے ہو گئی تھی کہ ان کے لیے اگلی صف میں کھڑا ہونا ممنوع تھا اس کی نماز اس لیے ہو جانی چاہیے کہ اگلی صف میں جگہ نہیں ہے۔ یہ ایک مجبوری کا مسئلہ ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر (عن انس ابوداؤد ص ۲۵۲) پہلے اگلی صفیں پوری کرو۔ نقص پچھلی صف میں رہنا چاہیے۔

جگہ ہو پھر کوئی پیچھے اکیلا پڑھے تو حدیث کی رُو سے یقیناً اسے نماز لوٹانی چاہیے۔

نماز میں بے وضو ہو جانا

حدیث نبوی ہے اذا فسا احدکم فی الصلوٰۃ فلینصرف فلیتوضا

ولیعد الصلوٰۃ ۔ (عن طلق بن علی۔ ابوداؤد ص۸۳) اگر کسی کا نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو اسے جا کر وضو کرنا چاہیے اور نماز کو دہرانا چاہیے۔ یعنی از سر نو نماز پڑھنی چاہیے۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے صحیح اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے (عون المعبود)

حنفیہ کہتے ہیں جتنی پڑھ چکا ہے اس سے آگے شروع کرے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضؓ کی یہ روایت ہے من اصابہ قیٔ اور عاف اوقلس اومذی فلینصرف فلیتوضا ثم لیبن علیٰ صلواتہ وھو فی ذلك مالم یتکلم (ابن ماجہ ص۸۷) حالت نماز میں قے یا نکسیر یا کھٹا ڈکار یا مذی کی شکایت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جا کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے۔

مگر یہ روایت ضعیف بھی ہے اور مرسل بھی (تخریج ہدایہ ابن حجر)

اور اگر تشہد تک پڑھنے کے بعد سلام پھرنے سے پہلے وضو ٹوٹ جائے تو پھر حنفیہ کے نزدیک نماز مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے اذا احدث یعنی الرجل وقد جلس فی آخر صلواتہ قبل ان یسلم فقد جازت صلواتہ ۔ عن عبد اللہ بن عمرو (ترمذی۔ باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشہد ص۳۱۴) نبی علیہ السلام نے فرمایا نماز کے آخر میں سلام پھیرتے سے پہلے اگر کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز صحیح ہو گئی ــــ مگر امام ترمذی فرماتے ہیں اس کی سند قوی نہیں اس میں عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی ضعیف ہے۔

دروغ بر گردن راوی فقہ حنفیہ کے مطابق امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلے کو ایک نہایت دلچسپ شرط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے فرماتے ہیں اس صورت میں نماز تب صحیح ہو گی جب قصداً اور ارادتاً وضو توڑے یا کلام

کرے یا کوئی ایسا عمل کرے جو نماز کے منافی ہو (ہدایہ صفحہ ۹۰) امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ وضو ٹوٹنے اور نماز کے صحیح ہونے میں قصد وارادہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔

اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو کھڑا کر دے۔ حنفیہ کے نزدیک چونکہ وہ حالت نماز میں ہوتا ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کپڑا کھینچ کر اسے اپنے مصلے پر لے آئے (حاشیہ ہدایہ صفحہ ۸۹) ہمارے نزدیک چونکہ وہ نماز سے باہر ہو جاتا ہے اس لیے وہ زبانی بھی کہہ سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ جب زخمی ہوگئے تھے تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو پکڑ کر آگے کیا تھا (عن عمرو بن میمونؓ بخاری بحوالہ منتقیٰ) حضرت علیؓ کی نکسیر پھوٹی تو انہوں نے بھی ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا (عن ابی رزین سنن سعید بن منصور بحوالہ ایضاً)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اگر امام کسی کو اپنی جگہ کھڑا کر دے تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ایسا کیا تھا اور اگر لوگ اپنی اپنی نماز پڑھ لیں تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ جب زخمی ہوئے تھے تو لوگوں نے بطور خود اپنی نماز پوری کی تھی (منتقیٰ مع شرح نیل الاوطار ج ۳ صفحہ ۱۸۶)

مدرک رکوع

نبی علیہ السلام نے فرمایا اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوھا شیئاً ومن ادرک رکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (عن ابی ہریرۃ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۳۳۲) جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہمیں سجدہ کی حالت میں پاؤ تو سجدے میں شامل ہو جاؤ اور اسے کچھ شمار نہ کرو۔ اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

حدیث کے آخری حصے کا بہت سے لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ جس نے رکوع پا لیا اس نے رکعت پالی ——— ان کے نزدیک امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت شمار ہو جاتی ہے ——— مگر یہ بات درست نہیں اتنے اہم مسئلے کے لیے مجازی معنوں پر استدلال کی بنیاد کھڑی نہیں کرنی چاہیے بالخصوص جب کہ وہ صحیح احادیث کے بھی خلاف ہو ——— حقیقی معنوں کے لحاظ سے الفاظ کا مطلب یہ ہے جس نے ایک رکعت پالی اسے نماز باجماعت کا ثواب مل گیا اور اس کی نماز جماعت کے حکم میں ہو گئی جیسے ایک دوسری حدیث میں ہے من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (عن ابی ہریرہ مسلم ص۲۲۱) جسے نماز کی ایک رکعت مل گئی اسے نماز مل گئی۔

اگر ابو داؤد والی روایت کا یہ معنی لیا جائے جس نے رکوع پا لیا اس نے رکعت پالی اور اسے یہ رکعت پڑھنے کی ضرورت نہیں تو اس روایت کا بلکہ صحیح مسلم والی روایت کا بھی یہ معنی بھی لیا جا سکتا ہے جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ لہٰذا اسے باقی نماز پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ——— یہ معنی پہلے معنی کی بہ نسبت حقیقت کے زیادہ قریب ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

جو لوگ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں وہ اگر رکوع کی رکعت کے قائل ہو جائیں تو بات بنتی ہے۔ حیرت ان لوگوں پر ہے جو صحیح احادیث کی وجہ سے فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں اور پھر رکوع کی رکعت کے قائل ہو گئے ہیں۔ بلکہ حنفیہ پر بھی تعجب ہے۔ یہ گو فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں۔ مگر قیام تو ان کے نزدیک فرض ہے۔ نہ جانے یہ اسے کس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ابو داؤد والی روایت سے حنفیہ فاتحہ خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں پھر تو اس سے قیام کی بھی عدم فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جاری کر دیں یہ فتویٰ بھی۔

اگر یہ کہا جائے تکبیر تحریمہ کے وقت قیام تو ہو ہی جاتا ہے، تو عرض ہے کیا امام کی اقتداء کے بغیر قیام معتبر ہے ؟ اگر یہ معتبر ہے تو پھر امام کی اقتداء کے بغیر رکوع بھی معتبر ہو جانا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنی نماز پا لو وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے بعد میں پورا کر لو ـــــــ اس حدیث کے مطابق مسئلہ زیر بحث میں آنے والے کو رکوع میں شامل ہونا چاہیے۔ .... کیونکہ اس نے امام کو حالتِ رکوع میں پایا ہے۔ لہٰذا وہ قیام کیسے شمار ہو سکتا ہے جو حدیث کی رُو سے اس سے فوت ہو گیا ہے اور جسے بعد میں پورا کرنے کا حکم ہے۔ خود غیر اہلحدیث حنفی عالم صوفی عبدالحمید صاحب فرماتے ہیں امام جس حالت میں ہو مقتدی جب آئے تو اسی حالت میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے (مسنون نماز ص۴۶۳)

میں نے دیکھا ہے کئی اہلحدیث حضرات بھی تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ جو صحیح نہیں۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے بغیر معاً انہیں اس حالت میں ہو جانا چاہیے۔ جس حالت میں وہ امام کو پائیں۔

نیز گذارش ہے کہ ابو داؤد کی روایت صحیح بھی نہیں۔ اس کی سند میں یحییٰ بن ابو سلیمان ضعیف اور منفرد ہے۔ (التعلیق المغنی ج ۱ ص۳۴۹) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ ص۵۶ میں منکر الحدیث فرمایا ہے اور پھر اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ کا مسلک بھی اس کے برعکس ہے۔ فرماتے ہیں ان ادرکت القوم رکوعا لم تعتد بتلك الرکعۃ (جزء القراءۃ بخاری بحوالہ عون المعبود ص۳۳۲) نمازیوں کو حالتِ رکوع میں پاؤ تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ صاحب عون المعبود اور صاحب نیل الاوطار امام شوکانی نے اسی مسئلہ کو ترجیح دی ہے کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ فتاویٰ امام شوکانی میں فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ دلیل میں ایک یہ حدیث لکھی ہے من ادرک رکعۃ من

الصلواۃ قبل ان یقیم الامام صلبہ فقد ادرکھا عن ابی ہریرۃ عون المعبود ص۳۳۶) صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص۴۵) جس نے رکعت پالی اس سے پہلے کہ امام اپنی پشت کو سیدھا کرلے اس نے رکعت کو پالیا۔

لیکن اس کی سند میں قرہ بن عبدالرحمٰن سیئ الحفظ ہے۔ یہ روایت دارقطنی میں بھی ہے (جزء اوّل ص۳۴۷) مگر اس میں یحییٰ بن حمید ضعیف اور منکر الحدیث ہے (بحوالہ عون المعبود ص۳۳۲) جو قرہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہے ان دونوں راویوں کا ضعف، التعلیق المغنی میں بھی بیان ہوا ہے (جزء ۲ ص۳۴۷)

جُمعہ کی رکعتیں

عبیداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ مروان حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ میں نائب بنا کر مکے گیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں انھوں نے سورہ جمعہ پڑھی اور پچھلی رکعت میں منافقون۔ اور فرمایا کہ میں نے حضور کو جمعہ کے دن یہی دو سورتیں پڑھتے سنا ہے۔ (مسلم ص۲۸۷)

اس سے ثابت ہوا جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا من ادرک من الجمعۃ رکعۃ فلیصل الیھا اُخری (دارقطنی ج ۲ ص۱۰) جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ دوسری ملالے۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے جمعہ کی رکعتیں دو ہیں۔

گو یہ روایت ضعیف ہے تاہم یہ صرف تائید کے لیے نقل کی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں صلواۃ الاضحیٰ رکعتان وصلواۃ الفطر رکعتان وصلواۃ الجمعۃ رکعتان وصلواۃ المسافر رکعتان (بیہقی ج ۳ ص۱۹۹) عیدین جمعہ اور مسافر کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔

جمعہ سے پہلے

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یوم الجمعۃ یخطب فقال لہ ارکعت رکعتین قال لا فقال ارکع (مسلم ص۲۸۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی (سلیک الغطفانی) آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا پڑھو۔

آگے اسی صفحے پر ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر آپؐ نے فرمایا اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما۔ اگر خطبہ جمعہ کے دوران میں تم میں سے کوئی آئے تو اسے دو مختصر رکعتیں پڑھنی چاہییے۔

محدثین نے ان دو رکعتوں کو تحیۃ المسجد پر محمول فرمایا ہے۔ جو حدیث شریف کے مطابق مسجد میں بیٹھنے سے قبل پڑھنی چاہییں اور اگر کوئی دوران خطبہ میں آئے تو بھی پڑھ کر بیٹھے۔ حنفیہ کا ان دونوں باتوں پر عمل نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے ایک باب باندھا ہے باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ وقبلھا۔ یعنی جمعہ کے بعد اور جمعہ سے پہلے نماز کا ذکر۔ اس کے تحت وہ ابن عمرؓ سے حدیث لائے ہیں جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے آگے پیچھے مغرب، عشاء اور جمعہ کے بعد گھر جا کر دو دو رکعتیں پڑھتے تھے (بخاری ص۱۲۸)

اس روایت میں جمعہ سے پہلے کسی نماز کا ذکر نہیں۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کی وجہ شائد یہ ہے کہ چونکہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لیے امام صاحبؒ نے اس کی سنتوں کو ظہر کی سنتوں پر قیاس فرما لیا ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کے علاوہ جمعہ سے پہلے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے کوئی سنن مؤکدہ یا ان کی تعداد مذکور نہیں ہے۔

اتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے حتی الامکان صاف ستھرا ہو کر اور خوشبو لگاکر (مسجد کو) جائے اور دو ساتھیوں کے درمیان حائل نہ ہو پھر جتنا مقدر ہو نماز پڑھے (فصلی ما کتب لہ) پھر جب امام آجائے تو خاموشی اختیار کرے تو اگلے جمعہ تک اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (عن سلمان فارسیؓ - بخاری ص۱۲۴)

اس سے معلوم ہوا نمازی خطبہ شروع ہونے سے پہلے جتنے نفل چاہے پڑھ سکتا ہے۔

نیز ابو داؤد (ج ۱ ص۴۳۸) میں ہے عن نافع قال کان ابن عمر یطیل الصلوٰۃ قبل الجمعۃ ویصلی بعدھا رکعتین فی بیتہ ویحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذلک۔ حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جمعہ سے پہلے لمبی نماز پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا۔

یہ جو ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہی عمل تھا اس کا تعلق جمعہ سے پہلی نماز کے ساتھ نہیں بلکہ جمعہ کے بعد گھر میں پڑھی جانے والی دو رکعتوں کے ساتھ ہے جیسا کہ اس سے متصل پہلی روایت میں عن نافع ۔صرف اتنا مروی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے حضورؐ کا عمل یہی تھا۔

(مسلم شریف ج ۱ ص۲۸۸) میں بھی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ جمعہ کے بعد گھر جاکر دو رکعت پڑھتے اور کہتے حضورؐ کا عمل اسی طرح تھا۔

جمعہ کے بعد

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں وکان لا یصلی بعد الجمعۃ

حتیٰ ینصرف فیصلی رکعتین (بخاری صـ۱۲۸ مسلم صـ۲۸۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ (گھر) تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔

نیز فرمان نبوی ہے اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا۔ (عن ابی ہریرہ مسلم صـ۲۸۸) جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا بعد از نماز جمعہ کوئی دو رکعت پڑھے یا چار رکعت دونوں طرح صحیح ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر مسجد میں پڑھے تو چار پڑھے اور اگر گھر میں پڑھے تو دو پڑھے (زاد المعاد ج ا صـ۱۲۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جمعہ کے بعد پہلے دو اور پھر چار یعنی کل چھ رکعتیں پڑھنا بھی مذکور ہے۔ (ابوداؤد صـ۴۳۹)

جُمعہ کا وقت

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعۃ حین تمیل الشمس (عن انس بخاری صـ۱۲۳) نبی علیہ السلام زوالِ شمس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ کنا نجمع مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفیئ (عن مسلم بن اکوع مسلم ج ا صـ۲۸۳) ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورج ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے اور پھر واپسی میں سایہ تلاش کرتے تھے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ زوالِ شمس سے پہلے جمعہ پڑھا دیتے تھے (عن عبداللہ بن سیدان السلمی دارقطنی جز ۲ صـ۱۷ مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ بمبئی ج ۲ صـ۱۰۷) اس میں عبداللہ بن سیدان مجہول ہے۔

عبداللہ بن سلمہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز چاشت کے وقت پڑھائی - (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷) شعبہؒ کہتے ہیں عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ بڑھاپے میں تبدیل ہوگیا تھا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے بوقت چاشت جمعہ کی نماز پڑھائی (عن سعید بن سوید - ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷)

ان روایات کی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہؒ اور غنیۃ الطالبین (مترجم ص ۵۴۳) کے مطابق شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہم زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے (بحوالہ عون المعبود ج ۱ ص ۴۲۲) صاحب عون المعبود خود بھی جائز سمجھتے ہیں ۔ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ وہ شخصیت ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے ۔

غوث اعظمؒ درمیان اولیاء   چوں محمدؐ درمیان انبیاء

شاہ صاحبؒ کی گیارہویں کھانے والے جو مرید جمعہ میں تین بجا دیتے ہیں انہیں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے ۔ خاص طور پر ذیل کی حدیث اپنے اندر سب کے لیے غور و فکر کی دعوت لیے ہوئے ہے ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعۃ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عن سہل - مسلم ج ۱ ص ۲۸۳) عہد نبویؐ میں ہم جمعہ پڑھ کر کھانا کھاتے تھے اور دوپہر کا آرام کرتے تھے ۔

بلکہ ایک روایت میں ہے کنا نصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ فنرجع وما نجد للحیطان فیئاً نستظل بہ (عن سلمہ بن اکوع - مسلم ج ۱ ص ۲۸۳)

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر نکلتے تو دیواروں کا اتنا سایہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے اسی لیے امام مالک نے نماز تو نہیں البتہ جمعہ کا خطبہ قبل از زوال جائز رکھا ہے (سبل السلام جزء ثانی

(۴۶)

جمعہ کی اذان

سائب بن یزید سے روایت ہے کان الندا یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال ابو عبد اللہ الزوراء موضع بالسوق بالمدینۃ (بخاری ص۱۲۴)

عہد نبوی ؐ، عہد ابوبکرؓ اور عہد عمرؓ میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگوں کی کثرت ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے دوسری (یعنی اقامت سمیت تیسری) اذان کا اضافہ کر دیا جو زوراء پر کہی جاتی تھی۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ تھی۔

ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر (ج ا ص۴۲۴) جب نبی علیہ السلام ابوبکرؓ اور عمرؓ منبر پر تشریف رکھتے تو اس وقت جمعہ کی اذان ان کے سامنے مسجد کے دروازے پر دی جاتی۔

ثابت ہوا اصل میں جمعہ کی اذان ایک ہی ہے۔ ہاں اگر کہیں اشد ضرورت محسوس ہو تو خلیفہ ثالث کے عمل کے مطابق مسجد سے باہر دوسری اذان دی جا سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کے مطابق کوئی بھی اذان مسجد کے اندر نہیں دینی چاہیے (ج ا باب ۲ فصل ۳ ص۵۵)

لیکن اب تو گھر گھر بلکہ جنگلوں میں بھی ریڈیو کیلنڈر اور گھڑیاں موجود ہیں۔

ہر نمازی کو علم ہوتا ہے کہ جمعہ کب ہے اور جمعہ کا وقت کیا ہے نیز عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
الاذان الاول یوم الجمعۃ بدعۃ (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۱۴۰) جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔
واقعی ہر جگہ اور ہمیشہ اور پھر مسجد کے اندر ایک سے زائد اذان کو معمول بنا لینا سنت کے خلاف ہی تو ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سحری کی اذان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ یؤذن ابن ام مکتوم (عن بخاری ص۸۷) بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں اس وقت تم کھانا پینا جاری رکھا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیں۔

اس حدیث سے سحری کی اذان کا ثبوت ملتا ہے کچھ لوگ بالخصوص ماہِ رمضان میں اس پر عمل کرتے ہیں جس پر احناف چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ مسنون عمل پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ لاؤڈ اسپیکر لگا کر یوں یہ کئی بولیاں بولتے اور طرح طرح کی راگنیاں الاپتے رہتے ہیں۔ ایک اذان ہی سے اتنی عداوت کیوں جو کہ سنت ہے۔ ہاں اتنی بات ہے عوام کو معلوم ہونا چاہیے یہ سحری کی اذان ہے۔ فجر کی اذان نہیں ہے۔ جیسے نبی علیہ السلام نے دونوں اذانوں کے لیے الگ الگ مؤذن مقرر فرما رکھے تھے۔

میں نہیں سمجھ سکا جمعہ کی پہلی اذان جس کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ پہلے دو خلیفوں سے ہے وہ بڑے اصرار سے دی جاتی ہے۔ بلکہ کچھ مزید اذانیں بھی ایجاد کر لی گئی ہیں میت کو دفن کرنے کے بعد قبرستان میں چند قدم کے فاصلے پر اذان۔ سیلاب وغیرہ کا خطرہ ہو تو اذان۔ احتجاج کرنا ہو

تو اذان، ان اذانوں کا ثبوت ان کی کسی لال کتاب میں ہو تو ہو ورنہ بندہ نے تو کہیں نہیں دیکھا۔ لیکن اگر سحری کی اذان کا نام بھی لیا جائے تو یوں بدکتے ہیں جیسے یہ کوئی بدعت سیئہ ہو۔ نہ جانے ان "اہلسنت" کے نزدیک سنت کا مفہوم کیا ہے میرے علم کے مطابق کتب حنفیہ میں بھی سحری کی اذان کے خلاف کچھ نہیں لکھا ہدایہ میں صرف یہ لکھا ہے ولا یؤذن لصلوٰۃ قبل دخول الوقت (ص۶۰) وقت سے پہلے کسی نماز کے لیے اذان نہ دی جائے اور یہ صحیح ہے۔ ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ بلکہ ہدایہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور اہل حرمین فجر کی اذان آدھی رات گزرنے کے بعد جائز سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ایک روایت زیاد بن حارث الصدائی سے آتی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے قبل از طلوع فجر صبح کی اذان کہی (ابوداؤد ص۲۰۱) لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ صحیح بات یہی ہے قبل از دخول وقت کسی نماز کی اذان جائز نہیں۔ سحری کی اذان اس سے مختلف ہے اور سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔

جمعہ کن کو معاف ہے

طارق بن شہاب سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم الا علی اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض (ابوداؤد ص۱۴۲) جمعہ سب مسلمانوں پر فرض ہے سوائے چار آدمیوں کے یعنی غلام، عورت، بچہ اور بیمار، امام ابوداؤد ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ طارق بن شہاب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔

عورت۔ بچہ اور بیمار بالاتفاق جمعہ سے مستثنیٰ ہیں، غلام کے بارے

میں اختلاف ہے۔ حسن بصریؒ، قتادہؒ اور اوزاعیؒ اور داؤد ظاہری غلام پر جمعہ واجب سمجھتے ہیں (بحوالہ عون المعبود صفحہ ۴۱۲)

ایک روایت میں ان چار کے علاوہ مسافر کا ذکر بھی ہے۔ (عن جابر دار قطنی جزء ۲ صفحہ ۳)

ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں جمعہ پڑھنا منع ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان پر واجب نہیں ہے۔ جیسے ایک مرفوع حدیث میں ہے الجمعۃ علی من سمع النداء (عن عبداللہ بن عمرو، ابوداؤد صفحہ ۴۰۹) جمعہ اس پر واجب ہے جو اذان کی آواز سنے۔ مگر ایک روایت میں یوں بھی ہے کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی (عن عائشۃ بخاری صفحہ ۱۲۳) لوگ جمعہ کے لیے مضافات سے باری باری آیا کرتے تھے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دور والوں پر بھی جمعہ واجب ہے جیسے ایک روایت میں ہے امرنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشھد الجمعۃ من قبا (عن رجل من قبا عن ابیہ ترمذی صفحہ ۳۶)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم قبا سے جمعہ کے لیے حاضر ہوں۔

اور ایک روایت یوں ہے الجمعۃ علی من آواہ اللیل۔ (عن ابی ہریرۃ ترمذی صفحہ ۳۶) جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو رات تک گھر لوٹ سکے۔

مگر یہ دونوں روائتیں بالکل ضعیف ہیں ۔ گو عبداللہ بن عمرو والی روایت بھی صحیح نہیں۔ لیکن اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ (جمعہ۔۹) جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔

نیز جب ایک نابینا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں آنے کی رخصت چاہی، تو آپ نے فرمایا ھل تسمع النداء قال نعم قال

فاجب (مسلم ص۴۰۹) کیا تمہیں اذان کی آواز آتی ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا تو مسجد میں آؤ۔

حنفیہ کے نزدیک ملازمین کو بھی جمعہ معاف ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری۔ (کتاب الصلوٰۃ باب ۱۶ ص۱۴۴) میں ہے وللمستاجر ان یمنع الاجیر عن حضور الجمعۃ۔ مالک ملازم کو جمعہ میں شرکت کرنے سے روک سکتا ہے بلکہ ہدایہ (ص۱۲۹) میں ہے ومن صلی الظھر فی منزلہ یوم الجمعۃ قبل صلوٰۃ الامام ولا عذر لہ کرہ لہ ذلک وجازت صلوٰتہ جو شخص جمعہ کے دن اپنے گھر میں بلا عذر امام سے پہلے ظہر پڑھ لے تو یہ مکروہ ہے مگر نماز صحیح ہو جائے گی۔

امام بخاریؒ باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر کے تحت حدیث لائے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے بارش کے روز مؤذن سے کہا کہ حی علی الصلوٰۃ کی جگہ صلوا فی بیوتکم کہنا ـــــ لوگوں کو یہ بات عجیب لگی تو فرمایا فعلہ من ھو خیر منی ان الجمعۃ عزمۃ وانی کرھت ان احرجکم فتمشوا فی الطین والدحض (ص۱۲۳) یہ ان کی سنت ہے جو مجھ سے بہتر تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جمعہ ایک عزیمت ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں تنگی میں ڈالوں اور تم مٹی اور کیچڑ میں چل کر آؤ۔

یہ عذر صرف جمعہ کے ساتھ مخصوص نہیں، عام نمازوں کے لیے بھی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر المؤذن اذا کانت لیلۃ ذات برد ومطر یقول الا صلوا فی الرحال۔ (عن ابن عمرؓ بخاری ص۹۲ مسلم ص۲۴۳) سرد اور بارش والی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم موذن کو حکم دیتے کہ وہ کہے لوگو! نماز گھروں میں پڑھ لو۔

ایک روایت میں ہے اذن ابن عمر فی لیلۃ باردۃ بضجنان ثم قال صلوا فی رحالکم واخبرنا ان رسول اللہ کان یامر موذنا یؤذن

ثم یقول علی اثرہ الاصلوا فی الرحال فی اللیلۃ الباردۃ او المطیرۃ فی السفر (بخاری ص۸۸) ابن عمر رضؓ نے ایک سرد رات موضع ضنجان میں اذان دی پھر کہا لوگو اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ اور ہمیں تبلایا کہ دوران سفر میں سردی والی یا بارش والی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ آخر میں کہے نماز گھروں میں پڑھ لو۔ ابوعوانہ کی ایک روایت میں لیلۃ باردۃ او ذات مطر او ذات ریح کے الفاظ بھی ہیں (بحوالہ عون المعبود ص۴۱۰) یعنی ٹھنڈی اور بارش والی رات میں یا تیز آندھی والی رات میں۔

عبداللہ بن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ الاصلوا فی الرحال کو حی علی الصلوٰۃ کی جگہ کہنا چاہیے۔ مگر عبداللہ بن عمر والی روایت میں علی اثرہ (بخاری ص۸۸) کے الفاظ ہیں جو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں اور مسلم (ص۲۴۳) میں ابن عمر رضؓ کے متعلق آتا ہے فقال فی آخر ندائہ الاصلوا فی الرحال کہ انہوں نے اذان کے آخر میں کہا نماز گھروں میں پڑھو۔ یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر فمطرنا فقال لیصل من شاء منکم فی رحلہ (مسلم ص۲۴۳) ہم نبی علیہ السلام کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک روز بارش ہو گئی تو فرمایا جس کا جی چاہے اپنے ڈیرے پر نماز پڑھ لے اس سے معلوم ہوتا ہے یہ احکام یا تو سفر سے متعلق ہیں یا ایسے حالات سے جب مسجد میں پہنچنا واقعی مشکل ہو نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے جیساکہ حافظ ابن حجر رحؒ نے فرمایا ایسے موسم میں مسجد میں آنا مستحب ہے اور گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔

نیز یاد رہے ایسے موسم میں نمازوں کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت

ابن عباسؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینۃ سبعا وثمانیا الظہر والعصر والمغرب والعشاء۔ (بخاری ص۷۷ مسلم ص۲۴۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ (یعنی حالت اقامت) میں سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں یعنی ظہر کو عصر سے اور مغرب کو عشاء سے ملاکر پڑھا۔

بلکہ ترمذی میں تو یہاں تک موجود ہے من غیر خوف ولا مطر (ج ۱ ص۱۶۶) بغیر خوف اور بارش کے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس حدیث کی رُو سے بہت سے ائمہؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ ضرورت کے تحت حضر میں مطلقاً نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں بشرطیکہ اسے عادت نہ بنا لیا جائے۔

جمعہ کے لیے روانگی

بے نمازوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ شاید اپنے آپ کو اس فرض سے مستثنیٰ خیال کرتے ہیں یہ کتنا بڑا المیہ ہے اذانیں سُن کر بھی شہروں میں چہل پہل یوں رہتی ہے جیسے اس قوم پر نماز کا وقت ہی نہ آیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ (عن ابی سفیان۔ مسلم ص۶۱) بندے اور کفر و شرک کے درمیان صرف نماز حائل ہے۔

امام نوویؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور جمہور سلف و خلف کا یہ مذہب ہے کہ تارک نماز کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ حضرت علیؓ، عبداللہ بن مبارکؒ اسحٰق بن راہویہؒ، بعض شافعیہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول کے

مطابق بے نماز کافر ہے (سب سے نرم) فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ کا ہے وہ کہتے ہیں بے نماز کافر بھی نہیں واجب القتل بھی نہیں البتہ جب تک وہ نماز شروع نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے اور اسے قید کر دیا جائے اور جہاں تک منکر نماز کا تعلق ہے وہ باجماع مسلمین کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔

کچھ عرصہ بیشتر بے نماز بھی کم از کم جمعہ ضرور پڑھ لیتے تھے اور یہ محاورہ مشہور تھا کھاٹ کی آٹھ کی اور تین سو ساٹھ کی، اب دُنیا اتنے سے بھی گئی یہ سب دولت کی خرمستیاں ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا یا ایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولٰئک ھم الخاسرون (التغابن-۹) اے ایمان والو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ جو ایسا کریں گے وہ نقصان اُٹھائیں گے۔

جمعہ کی تو خاص طور پر بہت بے قدری ہونے لگی ہے۔ اچھے بھلے لوگ عین جمعہ کے وقت شادیاں رچا لیتے ہیں جمعہ کا دن اس لیے مقرر کرتے ہیں کہ اس روز انہیں کاروبار کی چھٹی ہوتی ہے دوسری کوئی تاریخ مقرر نہیں کرتے مطلب یہ ہوتا ہے کاروبار کا حرج نہ ہو، جمعہ کا حرج ہوتا ہے تو ہوتا رہے اسی سے اندازہ فرما لیجیے ہمارے دل میں دین کی کتنی قدر باقی رہ گئی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (جمعہ-۹) اے ایمان والو جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور کاروبار چھوڑ دو۔

اس کے تحت حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اتفق العلماء رضی اللہ عنھم علیٰ تحریم البیع بعد النداء الثانی واختلفوا ھل یصح اذا تعاطاہ

منعاط ام لا على قولين وظاهر الاٰية عدم الصحة (ج ۴ ص ۳۶۷)
دوسری اذان کے بعد کاروبار کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اگر کوئی
کرے تو اس بیع کے نافذ ہونے میں اختلاف ہے۔ آیت عدم صحت کا
تقاضا کرتی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جمعہ چھوڑ کر نکاح کرنے والوں کے نکاح
بھی صحیح ہوتے ہیں یا نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا لینتھین اقوام
عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللّٰہ علیٰ قلوبھم ثم لیکونن من
الغافلین (عن ابن عمر و ابی ھریرہ ۔ مسلم ص ۲۸۴) لوگ جمعہ چھوڑنے سے
باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مُہر لگا دے گا اور وہ غافلوں
میں شمار ہو جائیں گے۔

نیز جمعہ کے بارے میں خاص طور پر ارشاد فرمایا میں چاہتا ہوں کسی کو
نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو
کے لیکن جمعہ پڑھنے نہیں آتے۔ (عن ابن مسعود ۔ وجوب الجمعۃ ۔ مسلم ج ۱ ص ۲۳۲)

جمعہ پڑھنے والوں میں بھی اکثریت ایسے حضرات کی ہوتی ہے جو آتے تو ہیں
مگر گویا کہ نہیں آتے۔ جیسے آکر بڑا احسان کیا ہو۔ گھڑی دیکھ کر عین نماز کے
وقت پہنچتے ہیں ہر جگہ عجب ہی فیشن ہو گیا ہے۔ شاید ان کے نزدیک خطبہ
سُننا تضییع اوقات ہے۔ اگر نماز ہی پڑھنی تھی تو پھر ظہر بہتر ہے جو چار رکعتیں
ہوتی ہیں۔ جمعہ کی اہمیت خطبہ کی وجہ ہی سے تو ہے بلکہ احادیث سے معلوم
ہوتا ہے جمعہ کے لیے دن چڑھے ہی آنا شروع ہو جانا چاہیے۔ جیسے جیسے
لوگ آتے ہیں علی الترتیب مختلف قربانیوں کے برابر انہیں ثواب ملتا ہے
(عن ابی ہریرۃ بخاری ص ۱۲۷ مسلم ص ۲۸۰) علامہ نووی فرماتے ہیں زوال کے

بعد آنے والوں کے لیے کوئی فضیلت نہیں کیونکہ وہ تو اذان کا وقت ہوتا ہے اور اذان کے بعد نہ آنا تو حرام ہے (شرح مسلم ج ۱ ص۲۸۰) قرآن پاک میں بھی ہے اے ایمان والو جمعہ کی اذان ہو جائے تو یادِ الٰہی کی طرف دوڑو۔

آپ حیران ہوں گے حضرت عمرؓ، عطاؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ اور مکحولؒ کے نزدیک خطبہ نہ ملے تو بجائے دو کے چار رکعت پڑھنی چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں انما جعلت الخطبۃ مکان الرکعتین فان لم یدرک الخطبۃ فلیصل اربعا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص۱۲۸) خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے اگر آنے والے کو خطبہ نہ مل سکے تو اسے چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔

ایک روز حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ آنے کا کونسا وقت ہے۔ جواب دیا میں کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ اذان کے وقت گھر لوٹا اور بس وضو کر کے آ گیا ہوں ـــــ فرمایا بس وضو ہی ؟ جب کہ نبی علیہ السلام نے غسل کا حکم دیا ہوا ہے (مسلم ص۲۸۰)

خیال فرمائیے وقت کے امیر المومنین نے مستقبل کے امیر المومنین کو دیر سے آنے پر خطبہ کے بیچ میں ٹوک دیا۔

آخر میں ایک یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے۔ کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز دنیا کی ہر زبان میں جائز ہے (ہدایہ ج ۱ ص۶۹ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص۶۹) مگر خطبہ میں یہ لوگ غیر عربی لفظ بولنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ انہیں سنت سے بڑی "محبت" ہے ـــــ لہٰذا

احناف کے ہاں جمعہ کے موقع پہ جو تقریر ہوتی ہے وہ خطبہ کا حصہ نہیں ہوتی اس لیے اس میں شرکت ضروری نہیں نہ ہی اسے خاموشی کے ساتھ سننا لازم ہے۔ برخلاف اہل حدیث کی مساجد کے کہ یہاں ہونے والی تقاریر

خطبہ کا جزو ہوتی ہیں اس لیے ان کو خاموشی سے سننا لازمی ہے۔

خطباء کرام کو بھی چاہیے کہ وہ ادھر ادھر کی بےکار باتیں کرنے کی بجائے خالص کتاب و سنت کی روشنی میں عوام کی راہنمائی فرمایا کریں اور لمبے خطابات سے پرہیز کیا کریں مقصد اپنی خطابت کے جوہر دکھانا نہیں اصلاح معاشرہ ہونا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنتہ من فقہہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبتہ وان من البیان سحرا (عن عمار مسلم ص ۲۸۶) لمبی نماز اور مختصر خطبہ آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے۔ پس تم نماز لمبی کرو اور خطبہ چھوٹا دو۔ بعض بیان جادو (یعنی موثر) ہوتے ہیں۔

احناف کی ایک یہ بے ضابطگی ملاحظہ فرمائیے کہ جمعہ کے خطبہ سے پہلے انہوں نے ایک تیسرے خطبے کا اضافہ کر لیا ہے اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں بھائی یہ خطبہ نہیں ہے یہ تو صرف وعظ ہے۔۔۔ اسی لیے ہم یہ وعظ بیٹھ کر کرتے ہیں خطبہ اذان کے بعد شروع ہوگا۔ لیکن اس میں بھی احکام خطبہ کے صادر فرماتے ہیں اور کسی کو سنت نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ کہتے ہیں بیٹھ کر سنو ابھی اذان سے پہلے آپ کو سنتوں کا وقت دیا جائے گا۔

خدا جانے انہیں سنتِ رسول سے اس قدر دشمنی کیوں ہے۔ یہ کتنی بڑی زیادتی ہے کہ ان لوگوں نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ احکام الٰہی میں ایک نئے خطبہ کا اضافہ کر لیا ہے جس کے لیے کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

بستیوں میں جمعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان اوّل جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس

بجواثی من البحرین (بخاری باب الجمعۃ فی القری والمدن صـ۱۲۲)
مسجد نبوی ؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا جو علاقہ بحرین کی بستی جواثی میں ہے۔

فقہ حنفی کی رُو سے دیہات میں جمعہ و عیدین جائز نہیں صرف بڑے شہروں میں جائز ہے۔ بقول صاحب ہدایہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے (صـ۱۲۶) حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کوئی فرمان ثابت نہیں۔ البتہ حضرت علی رض کا ایک قول ملتا ہے (ابن ابی شیبہ۔ عبد الرزاق) اگر قول پر چلنا ہے تو اس سے زیادہ طاقت ور قول حضرت عمر رض کا ہے جنہوں نے اہل بحرین کو لکھا ان اجمعوا حیث ما کنتم (ابن ابی شیبہ ج ۲ صـ۱۰۱) تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ پڑھو دلائل اور بھی بہت سے ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں جب نبی علیہ السلام سے شہر کی شرط ثابت نہیں تو ایسی شرط لگانے کا کیا فائدہ جسے یہ خود بھی نہیں نباہ سکے اب کونسی بستی اور کونسا گاؤں ہے جہاں احناف کی جامع مسجد نہیں ہے، طرفہ یہ کہ ایک طرف کہتے ہیں جمعہ کے لیے چھوٹا بھی نہیں بڑا شہر ہونا چاہیے۔ دوسری طرف کہتے ہیں مقتدی چاہیے تین بلکہ صاحبین کے قول کے مطابق دو ہی کیوں نہ ہوں (ہدایہ صـ۱۲۸)

شافعی مسلک میں شہر کی قید نہیں۔ ان کے نزدیک بستیوں میں بھی جمعہ جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کم از کم چالیس ایسے نمازی ضرور ہونے چاہئیں جو آزاد اور مقامی ہوں یعنی غلام اور مسافر نہ ہوں۔ یہ دونوں مذہب ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں۔ حنفیہ کو بڑے شہر میں دو یا تین نمازی اور شافعیہ کو گاؤں میں چالیس نمازی چاہئیں۔ ان شرائط کا حضورؐ سے کوئی ثبوت نہیں۔

احتیاطی ظہر

حنفیہ کے اس فتوی کو موہنجو دہاڑو کے آثارِ قدیمہ میں سے سمجھنا چاہیے کہ

جمعہ صرف بڑے شہروں میں جائز ہے اس کی تائید میں نہ کوئی آیت ہے نہ کوئی حدیث ہے اور نہ خود ان کا اپنا عمل ہے اپنے مسلک کے بالکل برخلاف اب یہ چھوٹے چھوٹے دیہات میں جمعہ جاری کیے ہوئے ہیں اور جو حضرات ضرورت سے زیادہ تقلید پسند واقع ہوتے ہیں وہ بعد میں احتیاطی ظہر پڑھ لیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے نہ انہیں اپنے قدیم مسلک پر اعتماد ہے اور نہ اپنے جدید رویے پر بھروسہ ہے۔ اس احتیاطی ظہر کی اسلام میں ذرہ بھر اہمیت نہیں۔ ہمارا مذہب ان اوہام سے ماورا ہے۔ اسی مثال سے حنفی مسلک کی کمزوری کا بھرم کھل جاتا ہے۔

جمعہ کی قضا

حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (مسلم ص۲۲۱) جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے (۱) جس پر نماز اس وقت فرض ہوئی جب صرف ایک رکعت کا وقت باقی تھا تو وہ نماز اسے پوری پڑھنی پڑے گی (۲) سورج نکلنے یا ڈوبنے سے پہلے فجر یا عصر کی ایک رکعت مل جائے تو اس کی یہ ساری نماز ادا سمجھی جائے گی (جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے اس مضمون کی مرفوع روایت بھی ہے ص۲۲۱) (۳) مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت بھی مل جائے تو اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا جیسا کہ مدرک رکوع کے باب میں ص۱۰۲ پر بیان ہوا۔

یہ حدیث سنن ابی داؤد (ص۴۳۶) اور ترمذی (ص۱۳۷) میں بھی موجود ہے

دونوں امام صاحبانؒ نے اس پر یہ باب باندھا ہے باب من ادرک من الجمعۃ رکعۃ۔ گویا وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت مل جائے اسے جمعہ مل گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا جسے رکعت سے کم ملے وہ جمعہ سے محروم رہا۔ اب وہ بجائے جمعہ کے ظہر پڑھے۔ نیز دارقطنی ج ۲ ص۱۲ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے من ادرک الرکوع من الرکعۃ الاخیرۃ یوم الجمعۃ فلیضف الیھا اُخری ومن لم یدرک الرکوع من الرکعۃ الاخیرۃ فلیصل الظھر اربعا۔

جس نے جمعہ کی آخری رکعت کا رکوع پالیا وہ اس کے ساتھ ایک اور ملالے (یعنی دو پوری کرلے) اور جسے آخری رکعت کا رکوع نہ ملے وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ادرک رکعۃ من الجمعۃ اوغیرھا فقد تمت صلواتہ (عن ابن عمر نسائی ص۶۵)

جسے جمعہ وغیرہ کی ایک رکعت مل گئی اس کی نماز پوری ہوگئی۔

امام ترمذیؒ نے اسے بہت سے اہل علم صحابہ کا مسلک قرار دیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ۔ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ کا بھی قول ہے کہ جو امام کو حالت تشہد میں پائے وہ چار رکعتیں پوری پڑھے۔

حنفیہ کا قول یہ ہے جسے تشہد مل گیا اسے جمعہ مل گیا۔ وہ دو رکعتیں ہی پڑھے گا ان کی دلیل صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔ جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لو اور جو فوت ہوجائے وہ پوری کرلو ــــ جماعت میں شامل ہونے کے بعد چونکہ اس سے دو رکعتیں فوت ہوتی ہیں اس لیے اصولاً اسے دو ہی پڑھنی چاہیے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دارقطنی اور نسائی والی دونوں روایتیں ضعیف ہیں اور مسلم والی روایت جمعہ کے بارے میں صریح نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جمعہ و

جماعت کو پانے میں تین اقوال ہیں۔ امام مالکؒ کا قول یہ ہے ایک رکعت ملے تو جمعہ و جماعت ملتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے ایک تکبیر بھی مل جائے تو جمعہ و جماعت مل جاتی ہے امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے جمعہ تو ایک رکعت سے ملتا ہے البتہ جماعت ایک تکبیر سے بھی مل جاتی ہے امام ابن تیمیہؒ نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲ صـ ۲۳۵)

حنفیہ کا مندرجہ ذیل فتویٰ ان کے مندرجہ بالا فتویٰ سے متعارض معلوم ہوتا ہے من ادرک من الظھر رکعۃ ولم یدرک الثلاث فانہ لم یصل الظھر بجماعۃ (ہدایہ صـ ۱۱۲) جسے جماعت کے ساتھ ظہر کی ایک رکعت ملی اور تین رکعتیں نہ ملیں تو اس نے ظہر کی نماز با جماعت نہ پڑھی۔

ہدایہ کی ایک یہ عبارت بھی خاکسار کو کھٹکتی ہے ان کان ادرکہ فی التشھد او فی سجود السھو بنی علیھا الجمعۃ عندھما۔ (صـ ۱۲۹) مسبوق نے امام کو حالت تشہد میں یا سجدہ سہو میں بھی پا لیا۔ تو وہ بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ کے مطابق نماز پڑھے گا۔

حنفیہ کے نزدیک جب سجدہ سہو سلام کے بعد ہے (ہدایہ صـ ۱۱۵) تو سلام کے بعد شامل ہونے والا جماعت میں کیسے شامل سمجھا جا سکتا ہے۔ بعد والا تشہد اور سلام نماز کا نہیں سجدہ سہو کا تشہد اور سلام ہے۔

یعنی مسلک ان کا یہ ہے کہ تشہد میں بھی جماعت مل جاتی ہے مگر پہلی مثال میں پوری رکعت ملنے سے بھی جماعت نہ ملی اور دوسری مثال میں سلام پھیرنے کے بعد بھی جماعت مل گئی۔

این چہ بو العجبیست

جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے اگر کسی کو جمعہ نہ ملے تو اسے ظہر کی پوری نماز چار رکعتیں پڑھنی چاہیے۔ سنا ہے کوئی صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ دو رکعتیں ہی پڑھنی ہوں گی یہ فتویٰ اس عاجز کی سمجھ میں نہیں آیا، جب کہ معلوم ہے کہ جمعہ کی رکعتیں دو ہیں اور ظہر کی چار ہیں۔ بغیر جماعت کے وہ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ دو پڑھنی چاہئیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ ظہر کی نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے جب کہ جمعہ سب پر فرض نہیں۔

عورتوں کے لیے

گزشتہ باب کے شروع میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ (مسلم ص۲۲۱) جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

اس کی ایک تشریح کے مطابق علامہ نوویؒ فرماتے ہیں "جس پر نماز اس وقت فرض ہوئی جب صرف ایک رکعت کا وقت باقی تھا تو وہ نماز اسے پوری پڑھنی ہوگی۔ مثلاً جیسے بچہ بالغ ہو جائے دیوانہ صحیح ہو جائے بے ہوش ہوش میں آجائے کافر مسلمان ہو جائے یا حیض و نفاس والی پاک ہو جائے۔"

موخر الذکر صورت کثیر الوقوع ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں جس طرح یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کب حیض و نفاس سے فراغت ہوئی اسی طرح یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کب اس کا آغاز ہوا۔ ابوالجوزاء کہتے ہیں ان عمر بن الخطاب نھی النساء ان یبتن عن العشاء مخافۃ ان یحضن بر سبل صلوٰۃ العشاء (بیہقی ج ا ص۳۸۹) حضرت عمرؓ نے فرمایا عورتیں عشاء کی نماز پڑھے بغیر نہ سو جایا کریں۔ ہو سکتا ہے پھر انہیں حیض شروع ہو جائے ـــــ مطلب یہ ہے کہ جب یہ ایام قریب ہوں تو انہیں احتیاط

کرنی چاہیے۔

ابن شبرمہ شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں اذا فرطت المرأۃ فی الصلوٰۃ حتیٰ تحیض فقضت تلک الصلوٰۃ (دن) وقت ہوگیا عورت نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی کہ حیض شروع ہوگیا۔ اسے اس نماز کی قضا دینا ہوگی۔

سفر کی نماز

خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المدینۃ۔ الیٰ مکۃ فکان یصلی رکعتین رکعتین حتیٰ رجعنا الی المدینۃ (عن انسؓ بخاری ص۱۴۷ مسلم ص۲۴۱) ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ گئے بھی اور آئے بھی اس دوران میں آپ دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں الصلوٰۃ اوّل ما فرضت رکعتان فاقرت صلوٰۃ السفر و اتمت صلوٰۃ الحضر (بخاری ص۱۴۸ مسلم ص۲۴۱) شروع میں نماز دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی۔ پھر سفر میں تو علی حالہ رہنے دی گئی اور حضر میں بڑھا دی گئی۔

معلوم ہوا قصر کی نماز کو بھی پوری نماز ہی تصور کرنا چاہیے مغرب کی نماز سفر و حضر میں تین رکعت ہوتی ہے (عن ابن عمرؓ ترمذی باب التطوع فی السفر ص۳۸۶)

مسئلہ قصر میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ پوری نماز کو افضل اور قصر کو رخصت سمجھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی سفر میں پوری نماز پڑھنے کا ذکر ملتا ہے (بخاری ص۱۴۸) یا تو اس لیے کہ وہ قصر کو صرف رخصت خیال کرتے تھے یا شائد وہ سمجھتے تھے کہ قصر کی اجازت صرف چلنے کے دوران میں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف جو

پوری نماز پڑھنے کی نسبت کی گئی ہے اس کی وجہ ایک یہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے منیٰ میں پوری نماز پڑھی تھی۔ لوگوں کے اعتراض پر انھوں نے بتلایا کہ میں نے مکہ میں شادی کر لی ہے اور میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے من تاھل فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم۔ جو شخص کسی شہر میں نکاح کرے وہ وہاں پوری نماز پڑھے (مسند احمد ج ۱ ص ۶۵) یہ حدیث بیہقی میں بھی ہے۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسے منقطع ہونے کی وجہ سے صحیح قرار نہیں دیا۔ ان کے نزدیک راجح وجہ یہ ہے جیسا کہ امام زہریؒ سے مروی ہے اس سال بدو لوگ بہت آئے تھے تو آپ نے انھیں یہ تعلیم دینے کے لیے پوری نماز پڑھی کہ اصل نماز چار رکعتیں ہیں۔ پھر بیہقی کی ایک روایت کا حوالہ دیا ہے عن عثمان انہ اتم بمنیٰ ثم خطب فقال ان القصر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ ولکنہ حدث طغام فخفت ان یستنوا۔ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے کے بعد خطبہ میں ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبینؓ کی سنت قصر ہی ہے لیکن مجھے ڈر پیدا ہوا اگر میں نے دو رکعت نماز پڑھی تو عامۃ الناس اسے مستقل سنت نہ سمجھ بیٹھیں۔

چنانچہ آگے ذکر کیا ہے ایک اعرابی نے حضرت عثمانؓ سے کہا جب سے میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے میں ہمیشہ دو رکعتیں ہی پڑھتا ہوں (فتح الباری باب یقصر اذا خرج من موضعہ)

حنفیہ قصر کو واجب خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان صلی اربعا وقعد فی الثانیۃ قدر التشھد اجزاتہ الاولیان عن الفرض والاخریان لہ نافلۃ... وان لم یقعد فی الثانیۃ قدرھا بطلت (ہدایہ ص ۱۲۴)

اگر اس نے چار رکعت پڑھیں اور درمیانہ تشہد بیٹھا تھا تو پہلی دو رکعتیں فرض سے کفایت کر جائیں گی اور پچھلی دو نفل ہو جائیں گی۔ اور اگر دوسری رکعت میں تشہد نہیں بیٹھا تھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

بندہ کو مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کے یہ الفاظ بہت پسند ہیں من شان متبعی السنن النبویۃ ومقتضی الاثار المصطفویۃ ان یلازموا القصر فی السفر کما لازمہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو کان القصر غیر واجب فاتباع السنۃ فی القصر فی السفر ھو المتعین (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۸۳) سنن نبویہ اور آثار مصطفویہ کے پیروکاروں کی شان کے لائق یہ ہے کہ وہ سفر میں ہمیشہ قصر پڑھیں جیسے نبی علیہ السلام نے ہمیشہ قصر پڑھی۔ قصر اگرچہ واجب نہ بھی ہوتا ہم سفر میں قصر کے معاملے میں سنت نبویؐ کی پیروی ہی بہتر ہے۔

مسافت سفر

کتنی دور تک کا سفر ہو کہ نماز قصر جائز ہو جاتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز منقول نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک دن کے سفر کو امام ابو یوسفؒ کا ڈھائی دن سے اوپر کے سفر کو اور امام ابو حنیفہؒ کا تین دن کے سفر کو سفر کہنا قیل و قال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جو کچھ آنحضرتؐ سے مروی ہے وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ حارثہ بن وھبؓ سے روایت ہے صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمن ما کان بمنیٰ رکعتین (بخاری ص ۱۴۷) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں مکمل حالت امن میں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی۔

یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس نماز میں اہل مکہ بھی آپ کے ساتھ شریک تھے۔ منیٰ مکہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او فراسخ شعبۃ الشاک صلی رکعتین

(مسلم صـ۲۴۲) نبی علیہ السلام تین میل یا تین فرسخ (یعنی نو میل - راوی کو شک ہے) کا سفر فرماتے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔

اب ظاہر ہے اس حدیث میں سفر کی انتہا مراد ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لمبے سفر پر نکلتے تو تین فرسخ پر قصر فرماتے کیونکہ مسافر کے لیے قصر کا مسئلہ شہر سے نکلتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

امام شوکانی رح اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں یقینی بات یہی ہے کہ سفر کی مسافت تین میل کی بجائے احتیاطاً تین فرسخ ہی معتبر ہے۔ البتہ سعید بن منصور نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر فرسخا یقصر الصلوٰۃ - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فرسخ یعنی تین میل پر قصر فرما لیتے تھے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر اسی کو ترجیح ہوگی (نیل الاوطار ج ۳ صـ۲۲)

حضرت عمر رض کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک میل کے سفر پر بھی قصر جائز سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رض اور ابن عباس رض چار برید یعنی سولہ فرسخ پر قصر اور افطار کرتے تھے (صـ۱۴۷)

لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس سے کم پر جائز نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ امام مالک رح نے عبداللہ بن عباس رض کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ مکہ سے طائف یا عسفان یا جدہ تک کے فاصلے میں قصر فرماتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رح نے اسی کو اپنا مذہب قرار دیا ہے (مؤطا امام مالک صـ۵۲)

مؤخر الذکر دونوں حوالے ایک حنفی مصنف نے بھی اپنے مسلک کی تائید کے لیے دیے ہیں (نماز پیمبر صـ۲۸۱ از شیخ محمد الیاس فیصل) مگر ایک بھول شاید ان سے ہو گئی ہے۔ ایک طرف وہ دو ٹوک انداز میں یہ فرماتے ہیں، اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ سفر ہو تو قصر کرے ورنہ نہیں - نیز

فرماتے ہیں واضح رہے کہ اڑتالیس میل کی مسافت تقریباً ۷۷ کیلومیٹر کے برابر ہے دوسری طرف موطا امام مالکؒ کے حوالے سے ابن عباس کا عمل پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مکہ سے جدہ تک کے سفر میں قصر جائز ہے اور اس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے جدہ کا فاصلہ ۷۲ کیلومیٹر ہے۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

صوفی عبدالحمید صاحب نے اڑتالیس میل کے حق میں یہ دلیل پیش کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت سفر نہ کرے تین دن کی مسافت بغیر محرم یا خاوند کے (بخاری ص ۱۴۷، مسلم ص ۴۳۳) نماز مسنون ص ۴۰۹) بھلا کوئی پوچھے محرم کا قصر سے کیا تعلق؟ اگر یہی اصول بنا لیا جائے کہ جتنے سفر پر محرم ضروری ہے اتنے سفر پر ہی قصر کی اجازت ہے تو بخاری شریف ہی میں اس سے اگلے صفحے پر حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث ہے کہ مومن عورت ایک دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم نہیں کر سکتی۔ فرمائیے اب کیا پروگرام ہے۔

نماز پیغمبرؐ کے مصنف نے اہلحدیث حضرات کو مرعوب کرنے کے لیے ۴۸ میل کے حق میں فتاویٰ ثنائیہ (ج ۱ ص ۶۶۳) کا بھی ایک حوالہ دیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا ایک طرف یہ لوگ ہمیں غیر مقلد کہتے نہیں تھکتے اور پھر ہمیں علمائے کرام کے حوالے بھی سناتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تو پیغمبرؐ کے فرامین ہیں۔ اس مصنف نے اپنی کتاب کا نام نماز پیمبر رکھا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ۴۸ میل سے کم پر قصر جائز نہیں؟ میرے بھائی اگر اقوال پر چلنا ہے تو اس سلسلے میں بیس کے قریب اقوال ہیں حدیث کی رو سے محتاط مسلک اہلحدیث کا ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جس سے نو میل کی مسافت پر قصر کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مدت سفر

کتنی دیر تک کہیں قیام کرنا ہو تو نماز کو قصر کیا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔

اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعۃ عشر قصرنا وان زدنا اتممنا (بخاری ص۱۴۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں) انیس روز قیام فرمایا اور قصر فرماتے رہے۔ بس ہمارا بھی یہی معمول ہے جب سفر میں انیس روز قیام کرنا ہو تو قصر کرتے ہیں زیادہ ہو تو پوری پڑھتے ہیں۔

ویسے اہل علم سے مختلف اقوال مروی ہیں ائمہ ثلاثہ ؒ تین روز تک قصر جائز سمجھتے ہیں حنفیہ پندرہ دن تک کے قائل ہیں۔ امام ترمذیؒ نے مختلف مذاہب بیان کرنے کے بعد فرمایا اما اسحٰق فرای اقوی المذاھب فیہ حدیث ابن عباس لانہ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص۸۵) اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک قوی ترین مذہب ابن عباسؓ کی حدیث ہے کیونکہ وہ حضورؐ سے مروی ہے۔

مولانا خالد گھرجاکھی مدظلہ العالی لکھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ اگر آپ کو انیس دن سے زیادہ رہنا پڑتا تو بھی آپ قصر فرماتے (صلوٰۃ النبی ص۲۹۲) واللہ اعلم بالصواب۔

بعض اہلحدیث حضرات بھی تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرنے والے کے لیے قصر جائز نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حج کے موقع پر نبی علیہ السلام نے مہاجرین مکہ سے فرمایا تھا کہ مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام نہ کریں (صحاح ستہ)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں رد ھذا الاستدلال

بان الثلاث قدر قضاء الحوائج لا لکونھا غیر اقامۃ (تحفۃ الاحوذی صـ ۳۸۵) کہ یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ تین دن مزوریات سے فارغ ہونے کے لیے تھے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ تین دن کے بعد انسان مقیم ہو جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے یہ بھی لکھا ہے ثم اجمع اھل العلم علی ان للمسافر ان یقصر ما لم یجمع اقامۃ وان اتی علیہ سنون۔ (صـ ۳۸۵) اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جب تک مسافر اقامت کی نیت نہ کرے وہ قصر کرے گا خواہ اس پر برسہا برس گزر جائیں۔

بیہقی میں ہے عن ابن عمر انہ قال ارتج علینا الثلج ونحن باذربیجان ستۃ اشھر فی غزوۃ وکنا نصلی رکعتین (ج ۳ صـ ۱۵۲) بسلسلہ جہاد ابن عمرؓ آذربائیجان میں چھ ماہ تک قصر فرماتے رہے۔

نیز حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ رامہرمز میں نو ماہ تک قصر نماز پڑھتے رہے (ایضاً)

اسی طرح جو لوگ سفر میں کاروبار کرتے ہیں یا ہر روز اپنے شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں وہ بھی مسافر کے حکم میں ہیں انہیں بھی نماز قصر پڑھنی چاہیے تاوقتیکہ وہ کہیں مستقل قیام نہ کر لیں۔

مسافر مقیم کی اقتداء میں

مسافر اگر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ پوری پڑھے (مسند احمد ج ۱ صـ ۲۱۶) .... حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کان ابن عمر اذا صلی مع الامام صلی اربعا واذا صلاھا وحدہ صلی رکعتین (مسلم صـ ۲۴۳) کہ وہ

(حالت سفر میں مقیم) امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اکیلے پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔

صحیح مسئلہ یہی ہے۔ اور امام کی اقتداء کا تقاضا بھی یہی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ (صحیحین) امام مقرر ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ البتہ حافظ ابن حزمؒ نے مقیم کی اقتداء میں مسافر کے دو رکعت پڑھنے کو جائز رکھا ہے (محلی ج ۵)

چنانچہ بعض مسافر مقیم امام کے ساتھ آخری رکعتوں میں شامل ہو کر قصر کے مطابق نماز پڑھ لیتے ہیں اسی طرح رمضان المبارک میں بعض منچلے ایک وتر پڑھنے کی خاطر امام کے ساتھ آخری رکعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال کے مطابق یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

مقیم مسافر کی اقتداء میں

مقیم مسافر کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے پوری نماز پڑھنے کا حکم ہے عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں فتح مکہ کے موقع پر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شامل تھا۔ آپؐ نے مکہ میں ۱۸ روز قیام فرمایا اور مسلسل دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے آپ فرماتے یا اھل البلد صلوا اربعا فانا قوم سفر (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۵) اے شہر والو (مقامی لوگو) تم چار رکعتیں پڑھو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں۔

معلوم ہوا مسافر امام کو یہ آواز دے دینی چاہیے تاکہ مقتدی کسی مغالطہ میں نہ پڑ جائیں یا امام کے دو رکعت پڑھنے کو اس کے سہو پر محمول نہ کریں۔ صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات سلام پھیرنے کے بعد فرماتے۔ صاحب ہدایہ نے بھی لکھا ہے کہ امام کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ سلام پھیر کر کہے لوگو تم اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم

مسافر ہیں۔

اگر یہ بات واقعی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپؐ سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات فرماتے تب تو مجال انکار نہیں ورنہ میں سمجھتا ہوں یہ اطلاع نماز شروع کرنے سے قبل دینی چاہیے۔ صحیح فائدہ اسی وقت ہے۔

اس سے پہلے حدیث گزری ہے کہ امام کی اقتدا کی جانی چاہیے سوال پیدا ہوتا ہے پھر یہاں اقتداء کدھر گئی؟ تو گذارش ہے کہ سب سے بڑے امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے یہ تو فرمایا ہے کہ مسافر کے پیچھے مقیم پوری نماز پڑھے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مقیم کے پیچھے مسافر قصر کرے۔ نیز مسافر کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقیم کا بعد میں اُٹھ کر اپنی رکعتیں پوری کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے مسبوق پوری کرتا ہے۔

مسافر کی امامت

گذشتہ باب میں مذکور عمران بن حصینؓ کی روایت (ابوداؤد ص۱۷۵ ؎) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسافر اہل اقامت کی جماعت کرا سکتا ہے اور اس کے پیچھے ان کی نماز جائز ہے۔

ایک حدیث میں ہے من زار قوما فلا یؤمهم ولیؤمهم رجل منهم (عن مالک بن حویرث ترمذی ص۲۸۵) باہر سے آنے والا مقامی لوگوں کی امامت نہ کرائے انہی میں سے کسی آدمی کو ان کی امامت کرانی چاہیے۔

چنانچہ امام ترمذی نے اسحٰق بن راہویہؒ کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اکثر اهل العلم انه لا باس بامامة الزائر باذن رب المكان لقوله صلی اللہ علیه وسلم فی حدیث ابی مسعو

(المنتقی بحوالہ تحفۃ الاحوذی صـ۲۸۵) اکثر اہل علم کا یہ خیال ہے کہ صاحب خانہ کی اجازت سے بیرونی مہمان کے لیے امامت کرانا جائز ہے کیونکہ ابو مسعود والی حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور وہ حدیث نبویؐ یہ ہے لا یؤم الرجل فی بیتہ ولا فی سلطانہ ولا یجلس علی تکرمتہ الا باذنہ (عن ابی مسعود البدری - ابو داؤد صـ۲۲۷) کوئی آدمی کسی کے گھر میں یا اس کے ادارے میں امامت نہ کرائے اور نہ اس کی نشست پہ بیٹھے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ یہ حدیث (مسند احمد ج۴ صـ۱۰۱ اور صحیح مسلم ج ۱ صـ۲۳۶) میں بھی ہے۔

صاحب عون المعبود خطابی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ حکم جمعہ اور عید کے اجتماعات کے بارے میں ہے کیونکہ ان کا تعلق حکام سے ہوتا ہے عام نمازوں کے لیے وہی امام ہونے چاہئیں جو زیادہ عالم ہوں۔ (صـ۲۲۷)

ابن العربیؒ فرماتے ہیں مہمان اگر اہل علم و فضل ہو تو صاحب منزل کے لیے افضل یہ ہے کہ اسے آگے کرے اس کے برابر بھی ہو تو بھی حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اسے امامت پیش کرے (عارضۃ الاحوذی بحوالہ تحفۃ الاحوذی صـ۲۸۵)

بعض امام صاحبان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مصلیٰ سے فقط اس لیے چمٹے رہتے ہیں کہ کہیں لوگ دوسرے کو پسند نہ کرنے لگ جائیں اور بعض آنے والے بھی خواہ مخواہ امام کے مصلیٰ پر قابض ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دونوں رویے افسوسناک ہیں۔

سواری پہ نماز

نفلی نماز سواری پر پڑھنی جائز ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی علی راحلتہ حیث توجھت بہ (عن ابن عمرؓ مسلم صـ۲۴۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر نماز پڑھ لیتے تھے ۔ جس طرف بھی وہ جا رہی ہوتی ۔ یہ نفلی نماز کے بارے میں ہے ۔ کیونکہ ایک حدیث میں یوں تفصیل ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی علی راحلتہ نحو المشرق فاذا اراد ان یصلی المکتوبۃ نزل فاستقبل القبلۃ (عن جابر بن عبد اللہ بخاری ص۱۴۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر مشرق کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لیتے تھے اور جب فرضی نماز پڑھنا چاہتے تو اُتر کر قبلہ رُو ہو کر پڑھتے ۔

اس سے ثابت ہوا فرضی نماز ایسی سواری پر جائز نہیں جہاں قیام رکوع سجود اور قبلہ رُخ ہونا وغیرہ ممکن نہ ہو ——— اہلحدیث سمیت کئی حضرات گاڑی میں بیٹھ کر فرضی نماز پڑھنے کا فتوے دیتے رہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصینؓ سے فرمایا تھا من صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم (بخاری ص۱۵۰) بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے ۔

حالانکہ اہل علم کے نزدیک یہ حدیث یا تو متنفل (نفل پڑھنے والے) کے بارے میں ہے یا اس مفترض (فرض پڑھنے والے) مریض کے بارے میں جو ذرا ہمت سے کام لے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو (نیل الاوطار شرح مسلم نووی وغیرہ) یہ غلط ہے کہ فرضی نماز بھی بلا عذر بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے ۔ تندرست آدمی کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا کسی کے ہاں بھی جائز نہیں ۔

جو مریض کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ اگر بیٹھ کر پڑھے تو اسے پورا ثواب ملتا ہے ۔ لہٰذا میں نہیں سمجھتا نصف اجر القائم یعنی آدھے ثواب والی حدیث کو گاڑی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے پر کیسے منطبق کر لیا جاتا ہے کیونکہ وہ اگر معذور نہیں تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اور

اگر معذور ہے تو اسے پورا ثواب ملنا چاہیے ـــــ نیز گاڑی کا سفر کوئی اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے جسے واقعی عذر کہا جاسکے جگہ جگہ گاڑی رُکتی ہے۔ سنت نبوی کے مطابق فرضی نماز بہر حال اُتر کر پڑھنی چاہیے، اگر واقعی کہیں نہ رُکے (یعنی نان سٹاپ ہو) بارش اتنا زیادہ ہو یا اور کوئی معقول عذر ہو تو پھر الگ بات ہے۔ چنانچہ یعلیٰ بن مرہؓ سے روایت ہے کہ اثنائے سفر میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک تنگ وادی میں سے گزر رہے تھے۔ نماز کا وقت ہوگیا۔ اوپر سے بارش اور نیچے کیچڑ تھا تو نبی علیہ السلام نے سواری پر ہی اذان اور اقامت کہی یا کہلوائی اور پھر اپنی سواری پر ہی آگے ہو کر اشاروں سے جماعت کرائی۔ سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکتے تھے (ترمذی صـــ ۳۱۷) گو یہ روایت ضعیف ہے تاہم مجبوری کی صورت میں اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔

دو نمازوں کو جمع کرنا

یاد رہے شریعت ہمیں خاص طور پر سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کی سہولت بھی دیتی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یجمع بین الصلوٰتین فی السفر اخر الظھر حتی یدخل اوّل العصر ثم یجمع بینھما (مسلم صـــ ۲۴۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جب دو نمازوں کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ عصر کا اوّل وقت شروع ہو جاتا تو ظہر اور عصر دونوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے حضرت ابن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ سفر میں سورج کی سُرخی (شفق) غائب ہونے کے بعد مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے اور کہتے تھے کہ نبی علیہ السلام بھی یونہی کرتے تھے (مسلم صـــ ۲۴۵)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک بین الظھر والعصر وبین المغرب والعشاء

فقلت لہ ماحملہ علی ذالک قال فقال اراد ان لا یحرج امتہ (مسلم ص۲۴۶)
نبی علیہ السلام غزوہ تبوک کے سفر میں ظہر اور عصر ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء
ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں (راوی ابو طفیل) نے معاذ بن جبل سے پوچھا
آپ نے ایسا کیوں کیا جواب دیا تاکہ آپ کی امت کو سہولت رہے۔

نیز معاذ بن جبل ہی سے مروی ہے کہ سفر تبوک میں اگر کوچ سے پہلے
سورج ڈھل جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر اکٹھی پڑھ لیتے یعنی
عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے اور اگر کوچ سورج ڈھلنے سے پہلے
ہوتا تو ظہر کو عصر کے وقت میں مؤخر کر کے پڑھتے۔ اسی طرح اگر روانگی
سے پہلے سورج غروب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھ لیتے اور اگر
سورج غروب ہونے سے پہلے روانہ ہونا ہوتا تو عشاء کے وقت دونوں
نمازیں جمع کر کے پڑھ لیتے (ابوداؤد ص۴۶۸)

بقول منذری امام ابوداؤد نے کہا ہے لیس فی تقدیم الوقت
حدیث قائم (عون المعبود ج ۱ ص۴۶۸) جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح
حدیث نہیں ہے۔ علامہ شوکانیؒ جمع تقدیم کی تائید میں متعدد احادیث نقل
کرنے کے بعد فرماتے ہیں وقد عرفت ان بعضھا صحیح وبعضھا حسن
وذلک یرد قول ابی داؤد لیس فی جمع التقدیم حدیث قائم۔
(نیل الاوطار ج ۳ ص۲۲۸) تمہیں معلوم ہے کہ یہ کچھ صحیح ہیں اور کچھ حسن کے
درجہ کی ہیں اور اس سے امام ابوداؤد کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ جمع
تقدیم کے لیے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔

معاذ بن جبل والی حدیث کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں
فیہ دلالۃ علی جواز جمع التقدیم فی السفر وھو نص صریح فیہ
لا یحتمل التاویل (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۸۶) کہ یہ سفر میں جمع تقدیم کے جواز
پر دلیل اور صریح نص ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کے نزدیک سفر میں جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی (ج ا ص ۳۸۷) امام مالک صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں اور وہ بھی صرف دورانِ سفر میں۔ مگر یہ قید ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ خود موطا امام مالک میں روایت ہے۔ آپؐ نکلے اور ظہر و عصر اکٹھی پڑھی پھر داخل ہوئے پھر نکلے اور مغرب و عشاء اکٹھی پڑھی (عن معاذ بن جبل ص ۵۰) معلوم ہوا آپ ٹھہرے ہوتے تھے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں بالاطلاق جمع بین الصلوٰتین کو بہت سے صحابہؓ، تابعینؒ اور فقہاء کا مسلک قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ عرفہ و مزدلفہ کے سوا جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں۔ قوم سے مراد امام نخعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے صاحبینؒ ہیں۔ حنفیہ جو فن تاویلات کے پرانے ایوارڈ یافتہ ہیں انہوں نے جمع بین الصلوٰتین کی احادیث کو جمع صوری پر محمول فرمایا ہے مگر ان کے اس موروثی وہم کو خود انہی کے ایک بہت بڑے عالم علامہ عبدالحئی حنفی لکھنویؒ نے سختی سے جھٹک دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہمارے احناف نے جمع بین الصلوٰتین والی احادیث کو جمع صوری پر محمول کیا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا ان روایات کا کیا کیا جائے گا جن میں صاف مروی ہے کہ وقت گزرنے کے بعد نماز کو جمع کیا گیا اور یہ روایتیں صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ابوداؤد وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ راویوں کو وقت کی تمیز نہ تھی تو یہ بات صحابہ کرام سے بہت بعید ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان روایتوں کی سندیں صحیح نہیں ہیں تو یہ اس سے بھی بعید تر بات ہے اور اگر مقابلے میں ان روایتوں کو پیش کیا جائے جو واقعی جمع صوری پر دلالت کرتی ہیں تو پھر یہ بات نہایت ہی عجیب تر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ حضورؐ نے کبھی یوں پڑھی اور کبھی یوں (التعلیق الممجد)

خطابی نے کہا جمع بین الصلوٰتین کی احادیث کو جمع صوری پر محمول کرنا

تنگی کا باعث ہے اس لیے کہ اوقات کے اوائل و اواخر کو معلوم کرنا خواص کے لیے بہت مشکل ہے کجا یہ کہ عوام کے لیے۔ جب کہ جمع کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُمت کے لیے تنگی نہ ہو (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۳۸۸)

لہٰذا میں سمجھتا ہوں احتیاط اسی میں ہے سواری پر انسان فرض اسی وقت پڑھے جب دوسری نماز کا وقت بھی نکلا جا رہا ہو اور کوئی صورت اتر کر نماز پڑھنے کی نہ ہو۔

قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں۔ سواری پر اشاروں سے نماز اسی وقت صحیح ہے جب وقت نکلا جا رہا ہو اور جگہ کی تنگی یا پانی اور کیچڑ کے باعث وہ اُتر کر پڑھنے کے قابل نہ ہو (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص۳۱۷)

سفر میں نفل

گزشتہ باب میں عبداللہ بن عمرؓ سے (بحوالہ مسلم ص۲۴۴) اور جابرؓ بن عبداللہ سے (بحوالہ بخاری ص۱۴۸) دو حدیثیں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نفل پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان کذٰلک (بخاری ص۱۴۹، مسلم ج ۱ ص۲۴۲) میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ زندگی گذاری ہے ان میں سے کوئی بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے مطلق نفل یا تہجد وغیرہ سفر میں نبی علیہ السلام سے پڑھنا ثابت ہے سنن راتبہ ثابت نہیں۔ البتہ وتر ثابت ہیں جیسا کہ صحیحین کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں "وتر نفلی عبادت ہے" کے تحت بیان ہوا ہے۔ اسی طرح فجر کی سنتیں بھی ثابت ہیں۔ کیونکہ خیبر سے واپسی پر جب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز فجر قضا ہو گئی تو ذکر ہے کہ پہلے آپؐ نے دو سنتیں پڑھ کر جماعت کرائی تھی (عن ابی ہریرہ ۔ مسلم ص۲۳۸)

شافعیہ اور جمہور علماء سفر میں سنن راتبہ کو مستحب جانتے ہیں ۔ امام نوویؒ ابن عمرؓ کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ڈیرے پر پڑھتے ہوں اور ابن عمرؓ نے نہ دیکھا ہو۔

مگر یہ تاویل درست نہیں معلوم ہوتی ۔ کیونکہ سنتیں صرف سفر میں نہیں حضر میں بھی گھر میں پڑھنا افضل ہیں ۔ حضر کے بارے میں ابن عمرؓ کی نہایت واضح حدیث آتی ہے کہ آپ دس رکعتیں پڑھتے تھے فلاں نماز سے پہلے اتنی اور فلاں نماز کے بعد اتنی ۔ (بخاری ص۱۵۷)

پھر وہ ایک دفعہ کا واقعہ بیان نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام کے ساتھ رہا ہوں یعنی میں نے آپ کے ساتھ زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے نہ صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ بلکہ ابوبکرؓ کے ساتھ عمرؓ کے ساتھ عثمانؓ کے ساتھ ان میں سے کوئی بھی نہیں پڑھتا تھا۔

نیز اس تاویل کی گنجائش تب پیدا ہو سکتی ہے اگر دیگر احادیث سے ثابت ہو کہ نبی علیہ السلام سنن راتبہ پڑھتے تھے ۔ جیسا کہ صلوٰۃ الضحیٰ کے مسئلہ میں بیان ہو گا ۔ انشاء اللہ ۔

آخر میں گزارش ہے کہ ان کے جائز ہونے میں شک نہیں لیکن افضل یہی ہے کہ نہ پڑھی جائیں جیسا کہ خود عبداللہ بن عمرؓ نے اسی موقع پر ایک دوسری روایت کے مطابق فرمایا لو کنت مسبحا اتممت صلوٰتی (مسلم ص۲۴۲)
اگر میں نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز ہی قصر کیوں کرتا ۔ وہی نہ پوری پڑھ لیتا ۔

سفر کی نماز حضر میں الخ

سفر میں حضر کی یا حضر میں سفر کی نماز پڑھنی ہو تو اتنی نماز ہی پڑھنی چاہیے۔

جتنی کہ فرض ہوئی ہو ۔

مثلاً ایک شخص نے ظہر کی نماز ابھی پڑھنی ہے اور ظہر کا وقت ابھی باقی ہے یا گزر چکا ہے اور وہ سفر پر روانہ ہوگیا تو وہ سفر میں ظہر کی نماز پوری پڑھے گا ۔

اسی طرح ایک مسافر جس کے ذمے ظہر کی نماز ہے وہ اگر عصر کے وقت گھر لوٹا تو ظہر کی نماز قصر کرے گا اور اگر ابھی ظہر کا وقت باقی تھا تو اسے ظہر کی نماز پوری پڑھنی ہوگی ۔

سفر سے واپسی پر

حضرت کعب بن مالک رضؓ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کان اذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فیرکع رکعتین فیہ ثم جلس للناس (بخاری ص۶۳۴) جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں دو رکعتیں پڑھتے اور پھر لوگوں کے لیے بیٹھتے ۔

نماز میں قرأت

یوں تو نماز میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کہیں سے بھی قرأت کر لی جائے تو جائز ہے تاہم نبی علیہ السلام سے خاص طور پر کچھ سورتیں پڑھنا بھی مذکور ہے ایک صاحب مغرب کی نماز میں قصار مفصل (یعنی اذا زلزلت سے آخر تک) عشاء کی نماز میں اوساط مفصل (بروج سے لم یکن تک) اور صبح کی نماز میں طوال مفصل (حجرات سے اذا السماء انشقت تک) پڑھتے تھے ۔ ابو ہریرہ رضؓ نے کہا ان کی نماز نبی علیہ السلام کی نماز سے بہت مشابہ

ہے (نسائی ص ۱۱۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر یوم الجمعۃ الم تنزیل وھل اتی علی الانسان (بخاری ص ۱۲۲ مسلم ص ۲۸۸) نبی علیہ السلام بروز جمعہ فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور دھر پڑھتے تھے نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ آپ جمعہ اور عیدین میں سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھتے تھے (مسلم ص ۲۸۸) ابوہریرہؓ سے نبی علیہ السلام کا جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور منافقون پڑھنا بھی ثابت ہے (مسلم ص ۲۸۷) حضرت عائشہ وتر نبوی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتی ہیں کہ آپ (بصورت تین وتر) پہلی رکعت میں اعلیٰ دوسری میں کافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھتے (ترمذی ص ۳۴۱ ابوداؤد ص ۵۳۵)

ان سب باتوں کے مقابلے میں حنفیہ کہتے ہیں ویکرہ ان یوقت لشیٔ من القرآن لشیٔ من الصلوات لما فیہ من ھجر الباقی وایھام التفضیل (ہدایہ ص ۸۲)

قرآن کا کوئی حصہ کسی بھی نماز کے لیے مخصوص کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح باقی حصے کا ترک اور پڑھے جانے والے حصے کی فضیلت کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے والافضل ان لا یفضل بعض القرآن علی بعض اصلا (کتاب الکراہیۃ ج ۵ ص ۳۱۶) بہتر یہ ہے کہ قرآن کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر قطعًا فضیلت نہ دی جائے۔

فضیلت والی بات بھی خوب رہی۔ حالانکہ صحیحین کی روایتوں میں نبی علیہ السلام سے سورہ فاتحہ قل ھو اللہ اور معوذتین کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے ایک حدیث میں ہے اذا زلزلت نصف قرآن قل ھو اللہ ثلث قرآن اور قل یا ایھا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے (عن انسؓ۔ ترمذی ج ۲ ص ۴۸)

وغیرہ -

اگر تفضیلت کی یہ صورت قابل اعتراض ہے تو پھر سمجھتا ہوں ان کے نزدیک نبی علیہ السلام کی شان بھی بیان نہیں ہونی چاہیے تاکہ دوسرے انبیاء کرام کی تنقیص لازم نہ آئے - مگر فرمایا "تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجت (البقرہ ص۲۵۳) ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند فرما دیے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے آیات قرآنی کی یا انبیائے کرام کی اس انداز سے فضیلت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں جن سے دیگر آیات یا انبیائے عظام پر حرف نہ آنے پائے - باقی حنفیہ کے دل میں قرآنی آیات کی درحقیقت کیا قدر ہے اس کا اندازہ اس سے لگا لیجیے - رجل نعلم بعض القرآن ثم وجد فراغا فانه یتعلم تمام القرآن وتعلم الفقہ اولی من تعلم تمام القرآن (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص۳۷۹) آدمی کچھ قرآن پڑھ لے پھر اسے فراغت ہو تو باقی قرآن بھی پڑھ لے - تاہم فقہ سیکھنا باقی قرآن سیکھنے سے افضل ہے -

یعنی ان کا مطلب ہے قرآن کو قرآن پر فضیلت نہ دی جائے فقہ کو بے شک قرآن پر فضیلت دے لی جائے -

اب الحمد للہ جدید احناف ان خیالات سے رجوع فرما رہے ہیں انہوں نے اپنی اصل فقہی اور نصابی کتابوں کے برعکس نئی تصنیف ہونے والی کتابوں میں یہ لکھنا شروع کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نماز میں فلاں سورت تلاوت فرماتے تھے - (مثلاً نماز پیمبر ص۲۴۷)

قرأت کے سلسلے میں یہ بھی یاد رہے نفلی نماز چونکہ اصل میں مثنیٰ مثنیٰ یعنی دو دو رکعتی ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی انہیں اکٹھا بھی پڑھے تو بھی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی نہ کوئی سورت ملانی چاہیے برخلاف

فرضی نمازوں کے کہ ان کی پچھلی رکعتوں میں اگر فاتحہ کے علاوہ قرأت نہ کی جائے تو بھی کافی ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظہر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ویسمعنا الایۃ احیانا ویقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحۃ الکتاب (بخاری ص۱۰۵ ا مسلم ص۱۸۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھتے اور کبھی کبھی کوئی آیت ہمیں بھی سُنا دیتے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے۔

اور اگر پچھلی رکعتوں میں کوئی سورت ملا بھی لی جائے تو حرج نہیں۔ حدیث میں اس کی گنجائش نظر آتی ہے حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی صلوۃ الظہر فی الرکعتین الاولیین فی کل رکعتین قدر ثلاثین آیۃ وفی الآخریین قدر خمس عشرۃ آیۃ (مسلم ص۱۸۶) نبی علیہ السلام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں تیس تیس آیات اور آخری دو رکعتوں میں پندرہ پندرہ آیات کے برابر تلاوت فرماتے تھے۔

امام اگر جہری قرأت کر رہا ہو تو اس صورت میں مقتدی کو صرف سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فجر کی نماز پڑھا کر ارشاد فرمایا لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوۃ لمن لا یقرأ بہا (عن عبادہ بن صامت ترمذی ص۲۵۳) فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں۔ اور اگر امام سری قرأت کر رہا ہو تو مقتدی کو کسی رکعت میں بھی فاتحہ سے زائد پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

قل ھو اللہ سے اختتام

ہمارے بہت سے بھائیوں کا معمول ہے نماز میں قرأت کے آخر میں

قل ھو اللہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو امیر لشکر بنا کے بھیجا وہ نماز میں قرأت کو قل ھو اللہ سے ختم کرتا تھا۔ واپسی پر انہوں نے اس چیز کا ذکر نبی علیہ السلام سے کیا فرمایا اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے چنانچہ پوچھنے پر اس نے جواب دیا اس میں اللہ پاک کی صفت بیان ہوئی ہے اس لیے میں اسے پڑھنا محبوب رکھتا ہوں فرمایا اسے بتلا دو کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی محبوب رکھتا ہے (بخاری ص ۱۰۹۷ مسلم ص ۲۷۱)

اس حدیث سے بے شک سورہ اخلاص کی فضیلت ظاہر ہوئی اور نماز میں قرأت کو اس پر ختم کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اسے عام معمول نہیں بنا لینا چاہیے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا اپنا یہ عمل نہیں تھا نہ اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں ثابت ہے۔ ورنہ صحابہ کرام کبھی اعتراض نہ کرتے۔ نہ ہی نبی علیہ السلام کو یہ پوچھنے کی ضرورت تھی کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے آپ فرما سکتے تھے کہ یہ میری سنت ہے۔ مسائل کے سلسلے میں جس طرح یہ ضروری ہے کہ ان کی صورت نہ بدلی جائے اسی طرح ان کی اہمیت میں بھی فرق نہیں ڈالنا چاہیے۔ ہر مسئلے پر اسی طرح عمل کرنا چاہیے۔ جس طرح وہ ثابت ہو اور جتنا کہ ثابت ہو۔ ورنہ تو بخاری شریف میں اس سے متصل پہلے یہ حدیث بھی ہے کہ ایک صاحب تہجد میں بار بار قل ھو اللہ ہی دہراتے جاتے تھے حضورؐ سے اس چیز کا ذکر کیا گیا تو فرمایا والذی نفسی بیدہ انھا لتعدل ثلث القرآن۔ بخدا یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے (عن ابی سعید الخدری ص ۱۰۹۷ و ص ۷۵) مگر اس پر شاید ہی کبھی کسی نے عمل کیا ہوگا۔

اس قسم کے اعمال کی فضیلت سے بے شک انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے اگر کسی عمل پر نبی علیہ السلام نے کسی صحابی کی دل شکنی نہیں فرمائی بلکہ اسے سراہا ہے تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسے مستقل

اختیار کر لیا جائے مستقل تب ہی اختیار کرنا چاہیے اگر حضورؐ نے اسے مستقل اختیار کیا ہو۔ سنت ہر لحاظ سے پیش نظر رہنی چاہیے۔ لیکن حنفیہ کی طرح ایسی سنتوں کا بالکل انکار بھی نہیں کر دینا چاہیے۔

بسم اللہ بالجہر

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بسم اللہ کے بارے میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ ایک اختلاف تو یہ ہے کہ آیا اسے پڑھنا بھی چاہیے یا نہیں۔ شافعیہ چونکہ بسم اللہ کو فاتحہ کی آیت تصور کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک پڑھنا واجب ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ دوسرا اختلاف سری اور جہری کے بارے میں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک جہر مسنون ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اخفا مسنون ہے اسحٰق بن راہویہ اور ابن حزم کے نزدیک دونوں طرح جائز ہے (نصب الرایہ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مسلم ص ۱۷۲) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔

مالکی یہاں سے بسم اللہ نہ پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث میں بسم اللہ پڑھنے کی نفی نہیں بلکہ صرف سماع کی نفی ہے جیسے ایک روایت میں یوں وضاحت ہے فلم اسمع احدا منھم یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم (نسائی ص ۱۰۸) ان میں سے کسی کو میں نے بسم اللہ بالجہر پڑھتے نہیں سنا۔

ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتح صلوٰتہ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ترمذی ص۲۰۵) کہ نبی علیہ السلام نماز کا آغاز بسم اللہ سے فرمایا کرتے تھے۔ مگر امام ترمذی کے کہنے کے مطابق اس کی سند صحیح نہیں۔

ایک روایت نعیم المجمر سے آتی ہے وہ کہتے ہیں صلیت وراء ابی هریرة فقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ثم قرأ بام القرآن حتیٰ اذا بلغ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال امین فقال الناس آمین...... واذا سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی ص۱۰۸) میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ پڑھی پھر سورہ فاتحہ پڑھی ولا الضالین کے بعد امام اور مقتدیوں نے آمین کہی ...... اور سلام کے بعد فرمایا خدا کی قسم میں نماز میں تم سب سے زیادہ نبی علیہ السلام کے ساتھ مشابہہ ہوں۔

نعیم کے علاوہ گو کسی راوی نے ابوہریرہ سے بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا، لیکن نعیم سمیت چونکہ تمام راوی ثقہ ہیں اس لیے امام دارقطنی اور صاحب فتح الباری حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

صاحب سبل السلامؒ (ج ۱ ص۱۶۹) لکھتے ہیں والاقرب انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ بہا تارۃ جھرا وتارۃ یخفیہا۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ بسم اللہ کبھی جہری اور کبھی سری پڑھتے تھے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں والاسرار بہا عندی احب من الجھر بہا (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۴) بسم اللہ کو سری پڑھنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کبھی بسم اللہ جہراً پڑھ لیتے اور

اکثر سری پڑھتے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ رات دن پانچ دفعہ سفر و حضر میں بالجہر پڑھتے ہوں اور پھر آپ کا یہ بالجہر پڑھنا خلفائے راشدین جمہور صحابہ اور دیگر اہل شہر سے مخفی رہتا (زاد المعاد ج ۱ ص۵۲)

ہمارے کئی ائمہ کرام بسم اللہ ہمیشہ بالجہر پڑھتے ہیں اور کچھ مقتدی حضرات کی بھی ضد ہوتی ہے کہ ضرور اونچی آواز میں پڑھی جائے۔ شاید انہیں اپنے مسلک کی صحیح واقفیت نہیں ہوتی۔ نیز حنفی ائمہ کا کبھی اونچی نہ پڑھنا بھی صحیح مسلک نہیں ہے۔

نماز عید

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھا ولا بعدھا (بخاری ص۱۳۱ مسلم ص۲۹۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے موقع پر دو رکعتیں نماز پڑھی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز دو رکعتیں ہیں۔

نوافل عید

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز نہیں ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوٰۃ العید (ص۱۳۱) عید گاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے جائیں۔ گویا ان کے نزدیک عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں نفل پڑھنے منع نہیں پہلے پڑھنے کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ کراہت بعض کے نزدیک صرف عید گاہ

میں ہے اور بعض کے نزدیک اس کے علاوہ میں بھی ہے ۔ اس دوسرے قول کی تردید میں حافظ ابن حجرؒ ایک حدیث بیان فرماتے ہیں۔ عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی قبل العید شیئاً فاذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین (ابن ماجہ ص ۹۳۔ درایہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے گھر لوٹ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں اس تردید کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہدایہ کے مطابق حنفیہ بعد میں نفل پڑھنے کے تو خلاف ہی نہیں نہ گھر میں نہ عیدگاہ میں۔ بات تو پہلے نفلوں کے بارے میں ہو رہی ہے ۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عیدگاہ میں نفل نہ پہلے پڑھنے جائز ہیں نہ بعد میں۔ گھر لوٹ کر دو رکعت پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ ابن ماجہ والی روایت صحیح ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ گھر جا کر آپ جو دو رکعت پڑھتے تھے وہ عید کے نفل تھے معمول کے مطابق صلوٰۃ الضحیٰ نہیں تھی۔

یاد رہے ابن ماجہ والی روایت کے متعلق امام شوکانیؒ فرماتے ہیں اسے حاکم نے بھی بیان کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری میں اس کی تحسین کی ہے۔ تاہم اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل پر گفتگو ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۲۰)

پہلے نماز پھر خطاب

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحیٰ الی المصلیٰ فاول شئی یبدأ بہ الصلوٰۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علیٰ صفوف

فیعظھم و یوصیھم و یامرھم (بخاری ص ۱۳۱ مسلم ص ۲۹۰) نبی علیہ السلام عیدین کے موقع عیدگاہ میں تشریف لاتے۔ سب سے پہلے نماز پڑھتے پھر فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ آپؐ انہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور احکام دیتے۔

مگر فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے وان خطب قبل الصلوٰۃ جاز و یکرہ...... ولا تعاد الخطبۃ بعد الصلوٰۃ (ج ۱ باب ۱۷ ص ۱۵۰) اگر نماز عید سے پہلے خطبہ دے تو جائز ہے۔ گو مکروہ ہے تاہم بعد میں دہرایا نہ جائے۔

یعنی غیر اہلحدیث احناف صرف یہی ایک زیادتی نہیں کرتے کہ قبل از نماز عید تقریر کے موتی بکھیرنے لگتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک عربی خطبہ تک نماز عید سے پہلے جائز ہے۔

اذان اور اقامت کے بغیر

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے۔ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العیدین غیر مرۃ ولا مرتین بغیر اذان ولا اقامۃ (مسلم ج ۱ ص ۲۹۰) مجھے نبی علیہ السلام کے ساتھ عیدین کی نمازیں بارہا پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے جو بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ہوتی تھیں۔

تکبیرات نماز عید

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا التکبیر فی الفطر سبع فی الاولیٰ وخمس فی الاخرۃ والقراۃ بعدھما کلیتھما (ابوداؤد ص ۱۴۶) کہ نماز عید الفطر میں

سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہیں اور پانچ دوسری رکعت میں ہیں اور قرأت ہر دو رکعت میں تکبیروں کے بعد ہے۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی وجہ سے اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے تاہم امام بخاری امام محمدؒ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں (عون المعبود ص۴۴۶ تحفۃ الاحوذی ص۳۷۶)

نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے شھدت الاضحیٰ والفطر مع ابی ھریرۃ فکبر فی الرکعۃ الاولیٰ سبع تکبیرات قبل القرأۃ و فی الاخرۃ خمس تکبیرات قبل القراءۃ (مؤطا امام مالک ص۶۳)
میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی۔ آپؓ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل از قرأت کہیں۔ اور دوسری میں پانچ قبل از قرأت

امام ترمذی نے بھی اس روایت کا حوالہ دیا ہے اور فرماتے ہیں امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ اور اہل مدینہ کا یہی قول ہے (ص۳۷۶)

ایک روایت میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ سبعا فی الاولیٰ وخمسا فی الاخرۃ ولم یصل قبلھا ولا بعدھا (عن عبداللہ بن عمرو۔ مسند احمد۔ بحوالہ تحفۃ الاحوذی)
. . . . نبی علیہ السلام نے نماز عید میں بارہ تکبیریں کہیں سات پہلی میں اور پانچ آخری میں اور آگے پیچھے کوئی نفل نہیں پڑھے۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ثم یقرء یعنی دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد کے بعد قرأت فرمائی (عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ص۴۴۶)

امام شوکانیؒ نے عراقیؒ اور امام بخاریؒ کے حوالے سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۱۶)۔

نیز لکھتے ہیں تکبیرات عید کے بارے میں دس اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل از قرأت اور دوسری میں پانچ تکبیریں قبل از قرأت۔

اور لکھا ہے اکثر اہل علم صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ کا یہی قول ہے ۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوایوبؓ، زید بن ثابت، عائشہؓ مدینہ کے فقہاء سبعہ، عمر بن عبدالعزیزؒ، زہریؒ، مکحولؒ، امام مالکؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحٰق سب کا یہی مذہب ہے (صہ ۳۱۲)

صاحب سبل السلام نے بھی اسی مسلک کو ترجیح دی ہے (جزء ثانی صہ ۶۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کان یکبر اربعا تکبیرۃ علی الجنائز (ابوداؤد صہ ۱۶۳) نبی علیہ السلام عید کی نماز میں جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے یہ حنفیہ کا استدلال ہے ۔ چنانچہ وہ عید کی دونوں رکعتوں میں صرف چھ زائد تکبیروں کے قائل ہیں ۔ مگر اس روایت کی سند میں عبدالرحمٰن اس کا باپ ثوبان اور ابوعائشہ تین راوی غیر ثقہ ہیں ۔

غالباً اسی لیے صاحب ہدایہ نے بھی اپنے مسلک کی تائید کے لیے اس سے استدلال نہیں کیا ۔ بلکہ ابن مسعودؓ کا قول پیش کیا ہے جس کا حوالہ ترمذی شریف اور مسند عبدالرزاق میں بھی موجود ہے ۔ مگر ایک تو اس کی سند میں ابواسحٰق السبعی مدلس ہے اور علقمہ اور اسود سے عن کے ساتھ روایت کرتا ہے (تحفۃ الاحوذی صہ ۳۷۶) دوسری بات یہ ہے کہ اس میں صاف یہ الفاظ ہیں خمس تکبیرات قبل القراءۃ (ترمذی) یعنی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں ۔ جب کہ حنفیہ تکبیر افتتاح کے علاوہ قبل از قرأت صرف تین زائد تکبیروں کے قائل ہیں (ہدایہ صہ ۱۳۱) استدلال کرنے سے پہلے انہیں اس اشکال کا حل تلاش کرنا چاہیے ۔ سچ پوچھیے تو ان کا قول ابن مسعودؓ پر بھی عمل نہیں ہے ۔ نیز یاد رہے دوسری رکعت میں بعد از قرأت تین زائد تکبیروں کا ذکر قول ابن مسعود میں تو بے شک ہے مگر نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے ۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ فرماتے ہیں فما اخذت بہ فھو حسن وافضل ذلک عندنا ماروی عن ابن مسعود (مؤطا امام محمدؒ

ص۱۴۱) دونوں طرح ٹھیک ہے یعنی ۱۲ تکبیریں بھی اور ۶ تکبیریں بھی تاہم ہمارے نزدیک افضل ابن مسعودؓ کا قول ہے یعنی ۶ تکبیریں۔
مگر ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک قول ہی ہے۔

تکبیرات عیدین میں رفع یدین

یہ بے حد تعجب کی بات ہے رکوع جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین والی حدیثوں سے صحاح ستہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر حنفیہ اس کے منکر ہیں اور تکبیرات عیدین کے دوران میں رفع یدین کے بارے کوئی حدیث نہیں ہے مگر حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ایک روایت سے استدلال کیا ہے (ص۷۷) مگر وہ روایت بالکل جعلی ہے۔ زیر بحث رفع یدین کا ثبوت غالباً صرف ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملتا ہے (تلخیص الحبیر ج ۲ ص۸۴) باقی امام شافعیؒ بھی کسی حدیث سے استدلال کرکے نہیں بلکہ عام نمازوں کے رفع یدین پر قیاس کرکے مذکورہ رفع یدین کے قائل ہیں عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے (بیہقی ج ۳ ص۲۹۳ بحوالہ عون المعبود ص۴۴۹)

خاکسار کو حنفیہ پر یہ اعتراض نہیں کہ وہ اس موقع پر رفع یدین کیوں کرتے ہیں کیونکہ یہ تو ہم بھی کرتے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ کیا اس کا ثبوت رکوع جاتے اور اس سے اُٹھتے وقت والے رفع یدین سے زیادہ مضبوط ہے؟

ہاتھ باندھنا

بعض لوگ تکبیرات عید کے درمیان ہاتھ کھلے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا

کوئی ثبوت نہیں ہے۔ چونکہ یہ حالتِ قیام ہے اس لیے بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ ہی کھڑا ہونا چاہیے۔

عید کی نماز کھلے میدان میں

حضرت ابو سعید خدری رضؓ کی متفق علیہ روایت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر کھلے میدان میں عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

شافعیہ مسجد میں افضل جانتے ہیں اور حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس زمانے میں مسجد نبوی میں گنجائش کم ہو گی۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل محض ایک قیاس آرائی ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۱۱)

حنفیہ اپنی کتابوں (مثلاً ہدایہ ص۱۳۱ فتاویٰ عالمگیری ص۱۵ وغیرہ) کی رو سے عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنے کے قائل ہیں۔ مگر عملاً پڑھتے مسجدوں میں ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اہل حدیث بھی شروع ہو گئے ہیں۔ اب ہر مسجد عید گاہ بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ لالچ سے محفوظ رکھے۔ اجتماعیت فنا ہو کے رہ گئی ہے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت آتی ہے ایک دفعہ بارش کی وجہ سے نبی علیہ السلام نے مسجد میں نماز عید پڑھائی تھی (ابو داؤد ج ۱ ص۱۶۵) یہ روایت گو ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن عبد الاعلیٰ بن ابی فروہ مجہول ہے۔ تاہم عمل اسی پہ ہے کیونکہ یہ ایک مجبوری ہے۔

عید گاہ میں عورتوں کی شرکت

حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ان نخرجھن (یا نخرجن) فی الفطر والاضحیٰ العوانق والحیض وذوات الخدور فاما الحیض فیعتزلن الصلوٰۃ ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین قلت یا رسول اللہ احدانا لایکون لھا جلباب قال لتلبسھا اختھا من جلبابھا (بخاری ص۱۳۴ مسلم ص۲۹۱) ہمیں نبی علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہم لڑکیوں اور باپردہ عورتوں حتیٰ کہ جو حالت حیض میں ہوں ان کو بھی عیدگاہ لے چلیں حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں البتہ نیکی اور مسلمانوں کی دعا میں شامل ہوں میں نے عرض کیا اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنے کو چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے فرمایا اس کی کوئی بہن اسے چادر اوڑھا دے۔

حنفیہ جمعہ و جماعت کی طرح عیدین میں بھی عورتوں کا آنا ممنوع جانتے ہیں گو عملاً وہ اب اس سے تائب ہوگئے ہیں ہمارے نزدیک صحیح احادیث کے پیش نظر جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ باپردہ ہوکر آئیں جیسا کہ اس حدیث سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔ اور اظہار زینت کیے بغیر آئیں ارشادِ نبوی ہے ان المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا کذا یعنی زانیۃ (عن ابی موسیٰ۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی) جو عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس کے پاس سے گزرے وہ زانیہ ہے۔

عید کے دن جمعہ

ایک روایت میں ہے صلی العید ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یصلی فلیصل (عن زید بن ارقم۔ ابوداؤد ص۱۴۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی پھر جمعہ کے بارے میں رخصت دے دی اور فرمایا جس کا جی چاہے پڑھے۔ اس روایت میں ایاس بن ابی رملۃ شامی

مجہول ہے۔ ایک ایسے ہی موقع پر آپؐ نے فرمایا قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء اجزاه من الجمعة وانا مجمعون۔ (عن ابی ہریرہ، ابو داؤد ص۱۷۱) آج دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ جس کا جی چاہے جمعہ نہ پڑھے البتہ ہم پڑھیں گے۔ اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے۔

عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جمعہ کے دن عید کی نماز پڑھائی پھر جب ہم جمعہ کے لیے پہنچے تو وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ ہم نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ ان دنوں ابن عباس طائف گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو ہم نے ان سے اس چیز کا ذکر کیا تو کہنے لگے اصاب السنة۔ ابن زبیرؓ نے سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔ (ابو داؤد ص۱۷۱) اس کی سند صحیح ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے جمعہ کے دن عید کی نماز پڑھنے والوں پر سے جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے چنانچہ احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہؒ اس رخصت کے قائل نہیں۔

ابو ہریرہؓ والی روایت میں انا مجمعون کے الفاظ ہیں اس لیے ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام اور اس کے ساتھ کم از کم تین آدمیوں کو جمعہ ضرور پڑھنا چاہیے، عطاءؒ نے حد کر دی ہے کہ جمعہ تو کیا اس روز نماز ظہر بھی معاف ہے ان کی دلیل عبداللہ بن زبیرؓ ہی کا ایک اثر ہے جس میں یہ الفاظ ہیں —

فجمعهما جميعا فصلاهما ركعتين بكرة لم يزد عليهما حتى صلى العصر (ابو داؤد ص۱۷۱) انہوں نے صبح کے وقت عید اور جمعہ دونوں ملا کر دو رکعتیں پڑھ ڈالیں اور اس کے بعد صرف عصر کی نماز پڑھی۔

لطف یہ کہ علامہ شوکانیؒ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ اس اثر کے تحت فرماتے ہیں تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز

فرض کی ہے تو جو شخص کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے جمعہ نہ پڑھے اس پر ظہر کی نماز واجب کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے جو کہ نہیں ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۰۱)

حالانکہ یہ سراسر راوی کا خیال ہے کہ ابن زبیرؓ نے جمعہ کی نماز عید کی نماز میں ضم کر دی اور پھر ظہر کی نماز بھی نہ پڑھی۔ ہو سکتا ہے انہوں نے گھر میں پڑھ لی ہو جیسے عطاء بن ابی رباح کی روایت میں ہے کہ ہم لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز (یعنی ظہر) پڑھ لی۔

نیز قابل غور امر یہ ہے کہ اگر عید کے دن نماز ظہر کی معافی ہو جائے تو پھر اس مسئلہ کو جمعہ کے دن سے خاص کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جمعہ تو کبھی آتا ہے اور ظہر ہمیشہ آتی ہے۔ جمعہ سب پر واجب بھی نہیں۔ ظہر سب پر واجب ہے مسئلہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ عید کے دن نماز ظہر کی چھٹی ہے۔ جمعہ چونکہ ظہر کا بدل ہے اس لیے اس کی بھی خود بخود رخصت ہو جاتی۔ یا وضاحت بھی کی جا سکتی تھی کہ ظہر ہو یا جمعہ بہر حال رخصت ہے۔ جمعہ کی رخصت سے نماز ظہر کی رخصت مراد لینا انتہائی جرأت کا کام ہے۔

وقت نماز عید

عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے موقع پر امام نے تاخیر کر دی تو عبداللہ بن بسرؓ صحابی نے کہا انا کنا قد فرغنا ساعتنا ھذہ و ذلک حین التسبیح (ابو داؤد ص۱۶۴) اس وقت تک تو ہم فارغ بھی ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ صلوٰۃ الضحیٰ کا وقت تھا۔ اور صلوٰۃ الضحیٰ کا وقت وہ ہوتا ہے جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں تپنے لگیں (عن زید بن ارقم مسلم ص۲۵۷)

ابوعمیر بن انس بن مالک اپنے ایک صحابی چچا سے روایت کرتے ہیں ایک دفعہ بادلوں کی وجہ سے ہمیں شوال کا چاند دکھائی نہ دیا تو ہم نے اگلے دن روزہ رکھ لیا پچھلے پہر ایک قافلہ آیا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے پاس گواہی دی کہ انہوں نے کل چاند دیکھا تھا فامرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یفطروا وان یخرجوا الی عیدھم من الغد (ابن ماجہ کتاب الصیام ص۱۲۰)
تو آپؐ نے فرمایا روزہ کھول دو اور کل عید کے لیے نکلو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا عید کا وقت طلوعِ آفتاب سے لے کر زوال شمس تک ہے اس مسئلے پر سب کا اتفاق ہے۔

امام شافعی سے روایت ہے اخبرنا ابراھیم قال حدثنی ابو الحویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی عمرو بن حزم و ھو بنجران ان عجل الغدو الی الاضحیٰ واخر الفطر وذکر الناس (کتاب الام ج ۱ ص۲۰۵)
نبی علیہ السلام نے عمرو بن حزم کو نجران میں خط لکھا کہ عید الاضحیٰ جلدی پڑھو اور عید الفطر کو دیر سے پڑھو اور لوگوں کو نصیحت کرو۔

اس کی سند میں ابوالحویرث سیئی الحفظ ہے اور اس پر مرجئہ ہونے کا الزام ہے (تقریب التہذیب ص۴۲۱) اس سے ابراہیم بن محمد روایت کرتا ہے جو کہ ضعیف ہے۔ علاوہ اس کے یہ روایت مرسل بھی ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۱۱)

احناف ایک حدیث بیان کرتے ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العید والشمس علی قید رمح او رمحین۔ نبی علیہ السلام عید کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ایک نیزے یا دو نیزے کی بلندی پر ہوتا تھا۔ یہ حدیث ہدایہ کی زینت تو ہے (ص۱۳۱) مگر اہل ہدایہ کے عمل کی زینت نہیں، نیز سچ پوچھیے تو یہ حدیث بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کا

ذکر صوفی عبدالحمید صاحب نے بھی ابن ماجہ اور ابوداؤد کے حوالے سے کیا ہے (نماز مسنون صفحہ ۶۹۴) مگر یقین جانیے یہ حدیث نہ ابن ماجہ میں ہے نہ ابوداؤد میں ہے۔

عید الفطر دیر سے پڑھنے اور عید الاضحیٰ جلدی پڑھنے کے لیے بعض لوگ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے لیے کچھ کھا کر نکلتے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر واپس آکر کھاتے (عن بریدہ ترمذی صفحہ ۳۸۱)

اس حدیث میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ یقیناً سنت ہے مگر جو استدلال کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغد و یوم الفطر حتیٰ یا کل تمرات (بخاری صفحہ ۱۳۰) آپ عید الفطر کی نماز کے لیے چند کھجوریں کھا کر نکلتے۔

بھلا بتایئے چند کھجوریں کھانے کے لیے وقت ہی کتنا لگتا ہے

عید کی قضا

گزشتہ باب میں مذکور ابوعمیر بن انس والی روایت (ابن ماجہ صفحہ ۱۲) سے یہ بھی معلوم ہوا سورج ڈھلنے سے بیشتر اگر کسی باعث نماز عید نہ پڑھی جا سکے تو اسے اگلے روز پڑھا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ عید کی قضا کے قائل نہیں۔ حنفیہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ قائل ہیں۔ ہدایہ میں عید الفطر کی قضا صرف ایک دن تک (صفحہ ۱۳۲) اور عید الاضحیٰ کی قضا عذر کے ساتھ دو دن بعد تک جائز لکھی ہے (صفحہ ۱۳۳) اگر ایام قربانی کا لحاظ مقصود ہے تو پھر ہمارے نزدیک تین دن بعد یعنی ایام تشریق تک جائز ہونی چاہیے۔ اور آپ کی حیرت میں زبردست اضافہ کرنے کے لیے

عرض ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں مرقوم ہے لو اخروھا الیٰ ثلاثۃ ایام من غیر عذر جازت الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۱۵۲) اگر لوگ عیدالاضحیٰ کی نماز تین دن بعد (یعنی تیرھویں ذوالحج کو) بلا کسی عذر کے بھی پڑھ لیں تو جائز ہے۔

اس قول شریف پر دو طرح سے غور کیا جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ بلا عذر چوتھے دن عید کی نماز جائز ہے جو صریحاً خلاف سنت ہے۔ دوسرے یہ کہ اندرونِ خانہ یہ جانتے ہیں کہ قربانی چار دن ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ چوتھے دن عید کی نماز تو جائز ہو مگر قربانی جائز نہ ہو۔

یاد رہے اگر کسی اکا دکا آدمی کی نماز عید قضا ہو جائے تو نبی علیہ السلام کے عام حکم (من نسی صلوٰۃ الخ) کے مطابق اس کی قضا دی جا سکتی ہے شریعت میں اس سے منع نہیں کیا گیا۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں (ہدایہ ص ۱۳۲)

دو عیدیں

حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ دو تہوار (نیروز اور مہرجان نامی) منایا کرتے تھے آپ نے پوچھا یہ تہوار کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا یہ ہم جاہلیت میں منایا کرتے تھے تو فرمایا ان اللہ قد ابدلکم اللہ بھما خیرا منھما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر (ابوداؤد ص ۱۴۴) اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بہتر دو تہوار دے دیے ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

اس سے معلوم ہوا عیدیں صرف دو ہیں۔ اور جو لوگ عید وغیرہ کے نام پر اور کوئی مذہبی تہوار مناتے ہیں وہ جاہلیت کی طرف لوٹتے ہیں۔

اس قسم کے لوگ کہا کرتے ہیں نبی علیہ السلام نے بھی جمعہ کو عید کہا ہے اس لیے ہم اگر عید کے نام پر کوئی تہوار مقرر کر لیں تو کیا حرج ہے۔ گویا

اس کا مطلب یہ ہوا تشریعی حیثیت میں یہ لوگ اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کے برابر سمجھتے ہیں نیز آپ نے اگر جمعہ کو عید فرمایا ہے تو صرف مشابہت کی وجہ سے اور فضیلت کی وجہ سے - نہ کہ پھر اسے عید ہی قرار دے دیا گیا اور اس کا نام ہی عید پڑ گیا ہو۔ فضائل کے سلسلے میں نبی علیہ السلام نے اور بھی بہت کچھ بیان فرمایا ہے - مثلاً آپ نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے کو عمرہ کے برابر قرار دیا ہے (ترمذی ص ٢٦٩) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ عمرہ ہی ہو گیا۔ یا آپ نے صبح و شام سو سو بار تسبیح پڑھنے کو سو حج کے برابر فرمایا ہے (ترمذی - بحوالہ مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ سو حج ہو گئے اور تسبیح کا نام ہی حج رکھ دیا جائے -

جشن عید میلاد النبی

جن لوگوں نے پاکستان بننے کے بعد جشن عید میلاد النبیؐ کے نام سے ایک تیسری عید کا سلسلہ شروع کیا ہے انھوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو کافی نہیں سمجھا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے پاکستان بننے کے بعد مسلمانوں کے سوادِ اعظم نے بس یہی ایک کمائی کی ہے - عیدین کے موقع پہ دو رکعت نماز ہوتی ہے - عید الفطر کو نماز سے پہلے صدقۃ الفطر اور عید الاضحیٰ کو نماز کے بعد قربانی کا حکم ہے - مگر یہ ایک البیٰ "عید" ہے جس میں نہ نماز ہے نہ صدقہ ہے اور نہ قربانی ہے بلکہ اس کا تصور صرف اتنا ہے کہ مولوی صاحبان پھولوں کے ہار پہن گڈوں پہ لد جائیں اور روغنی کلچے اور حلوے کھا کر مرغن قسم کی گالیاں دینا شروع کر دیں اُن بندگان خدا کو جو ان خرافات میں شریک نہیں ہوتے اور شیطان شیطان کا وظیفہ کریں ان مسلمانوں کے خلاف جو ان سے اس بدعت کا ثبوت طلب کریں -

سجدہ سہو

نماز میں بھول جائیں تو آخر میں دو سجدے لازم آتے ہیں یہ سلام سے
قبل بھی جائز ہیں اور سلام کے بعد بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح
ثابت ہے۔ مولانا احمد علی سہارن پوری حنفیؒ لکھتے ہیں اس میں کلام نہیں کہ دونوں
طرح جائز ہے۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ امام شافعیؒ قبل از سلام
اور امام ابوحنیفہؒ بعد از سلام افضل جانتے ہیں۔ امام مالک کا خیال ہے اگر
نماز میں کمی واقع ہوئی ہو تو قبل از سلام اور اگر زیادتی ہوئی ہو تو بعد از سلام سجدہ
سہو کرنا چاہیے (حاشیہ بخاری صـ۶۳) صاحب ہدایہ نے بھی لکھا ہے۔
ھذا الخلاف فی الاولویۃ (صـ۱۶) یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے
ترمذی میں بھی یہ مذاہب بیان ہوئے ہیں امام احمدؒ کے بارے میں لکھا ہے
کہ نبی علیہ السلام سے جس سہو پر سجدہ سلام کے بعد ثابت ہے وہاں بعد میں
کرنا چاہیے اور جہاں پہلے ثابت ہے یا بالکل ثابت نہیں وہاں پہلے کرنا چاہیے
امام اسحٰق ان سے اتفاق کرتے ہوئے آخری شق میں اختلاف کرتے ہیں کہ جہاں
ثابت نہیں وہاں امام مالک کے مسلک کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

اگر بعد از سلام سجدہ سہو کیا جائے تو سجدہ سہو کے بعد دوبارہ تشہد کی ضرورت
نہیں۔ صرف سلام کافی ہے۔ کیونکہ عمران بن حصین سے صحیح مسلم میں روایت
آتی ہے جس میں دوبارہ سلام کا ذکر تو ہے مگر دوبارہ تشہد کا ذکر نہیں (صـ۲۱۴)
حنفیہ دوبارہ تشہد پڑھتے ہیں۔ دلیل میں عمران بن حصین ہی کی ایک روایت
پیش کرتے ہیں جس میں سجدۂ سہو کے بعد تشہد اور سلام کا ذکر ہے (ترمذی
صـ۳۰ ابوداؤد صـ۴۰۱) مگر ایک تو اس کی صحت میں اختلاف ہے، دوسرے
اس میں پہلے سلام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں اس

حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ یہ سلام سجدہ سہو کا تھا۔ ممکن ہے نبی علیہ السلام نے پہلے سلام نہ پھیرا ہو اور آپ نے سجدہ سہو پہلے کیا ہو اور نماز کا سلام بعد میں پھیرا ہو (ج ۱ ص ۲۰۲)

اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے دوبارہ تشہد کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ مگر عام طور پر نبی علیہ السلام کا یہ عمل نہیں تھا۔ صحیحین میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔

حنفیہ سلام کے بعد سجدہ سہو کے قائل ہیں اور عام نمازوں کے آخر میں یہ مکمل التحیات پڑھتے ہیں اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں یہ پتہ نہیں انہیں کس نے تبلا دیا ہے کہ سجدہ سہو کرنا ہو تو صرف تشہد پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرنا چاہیے۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے والصواب ان یسلم تسلیمۃ واحدۃ وعلیہ الجمہور (ج ۱ ص ۱۲۵) صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیرے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ نہ جانے یہاں جمہور سے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض ضرورت سے زیادہ ہوشیار کاروباری لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کوئی سودا بیچتے وقت کہتے ہیں خدا کی قسم اس کا اتنا مول لگ گیا ہے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ وہ حضرت گھر سے مول لگوا کر آئے ہیں مذہبی کتابوں میں گھریلو جمہوریت کی بات نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہوتی ہے۔ انسان مغالطے میں پڑ جاتا ہے۔

سجدہ سہو صرف واجبات کے ترک سے

ہدایہ کے مطابق صرف واجبات یعنی سورہ فاتحہ، قنوت، تشہد اور تکبیرات عیدو غیرہ کے ترک سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ خاکسار کو اس حصر کی وجہ

معلوم نہیں ہوسکی ۔ بھول واجبات میں ہو یا فرائض میں اس کی تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت بہرحال ہونی چاہیے ۔ مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دی بعد میں یاد دلانے پر آپ نے باقی دو رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا (عن ابی ہریرہ بخاری ص۱۶۴)

اب رکعتیں فرض ہی ہوتی ہیں حنفی اصطلاح کے مطابق واجب تو نہیں ہوتیں ۔ جب متروکہ رکعت بلکہ رکعتوں کو دوبارہ پڑھ کر سجدہ سہو کیا جا سکتا ہے تو ترک رکن سے سجدہ سہو کیوں ممکن نہیں ۔ یعنی جس رکعت کا رکن رہ جائے وہ دہرائی جا سکتی ہے ۔ صرف ترک واجبات کی قید کا کوئی سوال نہیں ۔ بلکہ حضرت حسن بصریؒ تابعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا سجدہ رہ جائے تو وہ آخر میں تین سجدے کر لے یعنی ایک سجدہ متروکہ اور دو سجدے سہو کے (فتح الباری باب انما جعل الامام لیؤتم بہ)

خود صاحب ہدایہ نے بھی بعد از سلام سجدہ سہو ثابت کرنے کے لیے ایک قولی مگر ضعیف حدیث کا حوالہ دیا ہے لکل سھو سجدتان بعد السلام (ص۱۱۶) اصل الفاظ بعد ما یسلم ہیں (عن ثوبان ابوداؤد ص۱۴۸)

اس کا معنی ہے ہر سہو کے لیے دو سجدے ہیں سلام کے بعد ۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سہو سے کوئی مخصوص سہو مراد نہیں ۔

چار کی بجائے پانچ رکعتیں

ہدایہ میں لکھا ہے اگر بھول کر پانچویں رکعت پڑھ لے تو اگر چوتھی رکعت کے آخر میں قعدہ نہیں کیا تھا تو فرض باطل ہو گئے اور اگر قعدہ کیا تھا تو ایک رکعت اور ملا لے تاکہ چار فرض اور دو نفل شمار ہو جائیں (ص۱۱۷)

میں سمجھتا ہوں یہ مسئلہ بنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظہر خمسا فقیل لہ ازید فی الصلواۃ فقال وما ذاک قال صلیت خمسا فسجد سجدتین بعد ما سلم (عن عبداللہ بن عمر بخاری ص ۱۶۳) نبی علیہ السلام نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھا دیں آپ سے کہا گیا کیا نماز بڑھا دی گئی ہے فرمایا کیوں کیا بات ہے؟ عرض کیا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو آپؐ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے۔

اب یہ تو ذکر نہیں نبی علیہ السلام نے چوتھی رکعت کے آخر میں قعدہ کیا تھا یا نہیں۔ تاہم نہ تو آپ کے فرض باطل ہوئے نہ آپ نے کوئی رکعت ملائی۔

حالتِ سہو میں گفتگو

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی سہواً یہ سمجھے کہ اس نے نماز مکمل کر لی ہے حالانکہ اس نے مکمل نہ کی ہو اور ایسی حالت میں وہ گفتگو کر لے تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اسی پر بنا کر کے اپنی نماز مکمل کرے گا اور سجدہ سہو کرے گا جیسے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ ائمہ ثلاثہ اور جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا چونکہ یہ قول نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ حدیثیں منسوخ ہیں۔ ایسی نماز باطل ہے اور اعادہ لازم ہے (حاشیہ بخاری ص ۶۹ ہدایہ ص ۱۱۸)

دلیل میں حضرت عمرؓ کا ایک عمل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ سہواً دو رکعتیں پڑھا دیں اور پھر نمازیوں سے گفتگو بھی کی تب آپ نے بعد میں چار رکعتیں پڑھائیں (معانی الآثار طحاوی) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری

نے دلائل کے ساتھ اس روایت کو اضعف المراسیل قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے علاوہ اس کے ممکن ہے نبی علیہ السلام کا واقعہ ان کے ذہن میں نہ رہا ہو۔ جیسے تیمم والا مسئلہ ان کے ذہن میں نہیں رہا تھا۔ یا انہوں نے دونوں طرح جائز سمجھ لیا ہو۔ یا اس لیے پوری نماز دہرائی ہو کہ سہو معلوم ہونے کے بعد انہوں نے کچھ زائد گفتگو بھی فرمالی تھی (تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۳۰۸)

حنفی بھائی دلائل دینے کا تو محض تکلف ہی کرتے ہیں۔ اصل میں ان کا دین و ایمان محض امام ابو حنیفہ رحؒ کی تقلید ہے۔ کتنی عجیب بات ہے ان کے نزدیک کسی نمازی کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی وہ وضو کر کے آگے سے شروع کر سکتا ہے اور اگر حالت سہو میں گفتگو کرلے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور اسے نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے۔ باقی احادیث کو منسوخ قرار دینے کے بھی کیا کہنے۔ ان غیر الحدیثیوں کے بس میں ہو تو نبی علیہ السلام کی ساری شریعت کو منسوخ کر ڈالیں حالتِ سہو میں کلام اور ادھوری نماز پر بنا والی حدیث (صحیح مسلم ج ۱ صـ۲۱۴ میں) عمران بن حصین رضؓ سے بھی مروی ہے جو متاخر الاسلام ہیں۔ اور معاویہ بن خدیج سے بھی مروی ہے (ابو داؤد صـ۳۹۱) جو حضور ﷺ کی وفات سے صرف دو ماہ پیشتر اسلام لائے تھے (نیل الاوطار ج ۳ صـ۱۱۷)

تکبیراتِ جنازہ

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر اربعا (بخاری صـ۱۷۸)

نبی علیہ السلام نے نجاشی کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے انی علی قبر منبوذ فصفہم

وکبر اربع تکبیرات (بخاری ص۱۷۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر تشریف لائے جو ذرا ہٹ کر بنائی گئی تھی آپ نے صحابہ کرام کی صف بنوائی اور چار تکبیریں کہیں۔ نماز جنازہ کی چار تکبیروں کے بارے میں صحیح ترین دلائل یہی ہیں۔ احناف سمیت سب انہی سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر جن موقعوں پر یہ تکبیریں کہی گئی ہیں حنفیہ ان کے قائل نہیں نہ نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں نہ قبر پر نماز جنازہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ پہلے نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو۔ یہ تخصیص محض تقلید کی مجبوری سے ہے ورنہ قطعاً کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ نجاشی کا اپنے ملک میں جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا یا وہ قبر منبوذ والی میت نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دی گئی تھی۔ کم از کم علم غیب کا عقیدہ رکھنے والوں کو تو ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کان زید (بن ارقم) یکبر علی جنائزنا اربعًا وانہ کبر علی جنازۃ خمسا فسالتہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبرھا (مسلم ص۳۱۰)

زید بن ارقم رضؓ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہتے تھے۔ ایک جنازے پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے نبی علیہ السلام ایسا کرتے تھے۔

سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر علی الجنائز اربعا وخمسا وستا وسبعا وثمانیا حتیٰ جاءہ موت النجاشی فخرج الی المصلی فصف الناس ورآءہ وکبر علیہ اربعا ثم ثبت علی اربع حتی توفاہ اللہ - (استذکار ابن عبدالبر بحوالہ سبل السلام ج ۲ ص۱۰۳) نبی علیہ السلام جنازوں پر چار سے لے کر آٹھ تک تکبیریں کہتے تھے یہاں تک کہ جب آپ کو نجاشی کی موت کی اطلاع ملی تو آپ جنازہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے صفیں

باندھیں تو آپ نے چار تکبیریں کہیں پھر آخر تک یہی آپ کا معمول رہا۔
بیہقی میں ہے کانوا یکبرون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعا وستا وخمسا واربعا فجمع عمر الناس علی اربع رجوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۴۱)
حضورؐ کے عہد میں لوگ چار سے لے کر سات تک تکبیریں کہتے تھے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو چار پر جمع کر دیا۔
حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں ھذہ آثار صحیحۃ فلا موجب للمنع منھا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یمنع مما زاد علی الاربع بل فعلہ ھو واصحابہ من بعد (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱) یہ آثار صحیح ہیں ان سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نبی علیہ السلام نے چار سے زیادہ تکبیریں کہنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے خود بھی اور بعد میں آپ کے صحابہ نے بھی چار سے زیادہ تکبیریں کہی ہیں۔

تکبیرات جنازہ میں رفع یدین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی صحیح مرفوع روایت نہیں ملتی۔ دارقطنی میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ دارقطنی میں ہی حضرت ابن عباسؓ سے اور ترمذی ص ۱۶۵ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے ـــــ مگر یہ سب روایتیں ضعیف ہیں ـــــ حضرت ابن عمرؓ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے ـــــ جزء رفع یدین بخاری میں ابن عمرؓ کے علاوہ نافع بن جبیر، مکحولؒ، قیس بن ابی حازمؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، وہب بن منبہ، زہریؒ، حسن بصریؒ سے بھی ہر

تکبیر کے ساتھ رفع یدین ثابت ہے۔ ص ۳۳ و ۳۴۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم صحابہ کا یہی مذہب ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی جائے۔ ابن مبارکؒ۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہیے، ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام نوویؒ نے بھی عمر بن عبد العزیز، عطاء، سالم بن عبداللہ بن عمر، قیس بن ابی حازمؒ، زہریؒ اور اوزاعی کا یہی مذہب بیان کیا ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہیے (شرح مسلم ج ا ص ۳۰۹)

بہرحال نبی علیہ السلام سے چونکہ ثابت نہیں اس لیے کوئی نہ کرے تو بھی ٹھیک ہے۔ صحابہ کرام سے ثابت ہے اس لیے کر بھی لے تو بھی ٹھیک ہے۔ حنفیہ پر میں اظہار تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ سب سے زیادہ ثبوت رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ہے مگر حنفیہ یہ نہیں کرتے۔ اس سے کم درجے کا ثبوت تکبیراتِ جنازہ میں رفع یدین کا ہے حنفیہ یہ بھی نہیں کرتے۔ سب سے کم درجے کا ثبوت تکبیرات عیدین میں رفع یدین کا ہے۔ مگر حنفیہ یہ کرتے ہیں۔

تکبیراتِ جنازہ میں سہو

اگر کوئی تکبیریں چار سے زیادہ کہہ دے تو اسے سہو نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ نبی علیہ السلام اور آپ کے بعد صحابہ کرام سے بھی زیادہ تکبیریں کہنا ثابت ہے۔ اور اگر کم کہہ دے تو اس کے بارے میں بخاری شریف (ص ۱۷۷) میں آتا ہے صلی بنا انس فکبر ثلاثا ثم سلم فقیل لہ فاستقبل القبلۃ ثم کبر الرابعۃ ثم سلم۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے نمازِ جنازہ

میں تین تکبیریں کہیں ۔ اور سلام پھیرا ۔ انہیں تبلا دیا گیا تو پھر قبلہ رُو ہو کر ایک اور تکبیر کہی اور سلام پھیرا

نماز جنازہ میں مسبوق

جو شخص نمازِ جنازہ میں تاخیر سے شامل ہوا سے عام نمازوں کی طرح باقی تکبیریں بعد میں کہہ لینی چاہیئں ۔ ابن سیرین اور ابن شہاب زہری کا بھی قول ہے (بیہقی ج ۴ ص ۴۴)

علامہ ابن الترکمانی حنفی اس کے تحت الجوہر النقی میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول لکھتے ہیں کہ آنے والا امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کر کے اس میں شامل ہو تا کہ اس کی پانچ تکبیریں نہ ہو جائیں ۔

میں سمجھتا ہوں یہ احتیاط بے فائدہ ہے ۔ ایک آدمی مثلاً دوسری تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہہ کر شامل ہو جاتا ہے اسے دوسری تکبیر میں شامل سمجھنا چاہیے وہ بعد میں ایک تکبیر کہہ لے ۔ اگر وہ خیال کرتا ہے کہ اس کی دو تکبیریں فوت ہوئی ہیں تو وہ بھی کہہ لے ۔ انتظار کی ضرورت نہیں ہے جیسے ہم امام کے ساتھ اس رکعت میں شامل ہو جاتے ہیں جو شمار نہیں ہوتی اور اگلی رکعت کے شروع ہونے کا انتظار نہیں کیا جاتا ۔ اور اگر بالفرض پانچ تکبیریں بھی ہو جائیں تو کونسا جرم ہے ۔

نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ

طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انما سنۃ ۔

(بخاری ص۱۷۸) میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سنت ہے۔

معلوم ہوا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (عن عبادہ بن صامت۔ بخاری) سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ——— بلکہ نسائی میں اس طرح ہے فقرأ بفاتحۃ الکتاب و سورۃ جھر حتی اسمعنا۔ (ص۲۲۸) ابن عباسؓ نے سورہ فاتحہ کے علاوہ سورت بھی پڑھی اور با لجہر پڑھی اور ہم کو سنایا۔

امام ترمذی سورہ فاتحہ پڑھنے کو امام شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحٰقؒ کا مسلک بتلا کر لکھتے ہیں قال بعض اھل العلم لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ انما ھو الثناء علی اللہ والصلوٰۃ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم والدعا علی المیت وھو قول الثوری وغیرہ من اھل الکوفۃ (ص۱۴۳) بعض اہل علم کا خیال ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ نماز جنازہ درحقیقت صرف ثنا واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے اور درود واسطے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور دعا واسطے میت کے ہے ——— امام ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی قول ہے۔

میں حیران ہوں جس نماز کو اللہ تعالیٰ نے نماز کہا (توبہ ۸۴) نبی علیہ السلام نے نماز کہا (صحیحین) صحابہ کرامؓ نے نماز کہا محدثین نے نماز کہا بلکہ انہوں نے خود نماز کہا جس کے لیے باوضو ہونا قبلہ رو ہونا با جماعت ہونا وغیرہ سب شرائط نماز ضروری ہوں اس کو صرف اس لیے درحقیقت نماز نہ سمجھنا کہ کہیں سورہ فاتحہ نہ پڑھنی پڑ جائے۔ یہ فاتحہ دشمنی کی انتہا ہے۔ یا شائد اسے نماز نہ کہنے میں اس لیے شبہ ہے کہ اس میں رکوع، سجود اور تشہد وغیرہ نہیں ہوتا۔ تو بھائی یہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کونسی نماز کیسے ہوتی

چاہیے۔ کیا شریعت نے کوئی قاعدہ تبلایا ہے کہ جس نماز میں رکوع و سجود ہوں
اسے نماز کہو اور جس میں رکوع و سجود نہ ہوں اسے نماز نہ کہو۔

نیز گزارش ہے کہ سورہ فاتحہ وظیفہ رکوع و سجود کا نہیں ہے بلکہ قیام
کا ہے جو کہ نماز جنازہ میں ہے۔ بلکہ نماز جنازہ میں صرف قیام ہی قیام تو
ہے۔ مگر یار لوگوں نے اسے بھی فاتحہ سے محروم کر کے بے جان کر کے
رکھ دیا ہے۔

یہ لوگ بعد میں قبر پر قرآن پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں میں سمجھتا ہوں بدعت
کے طور پر سارا قرآن پڑھنے سے سنت کے طور پر ایک فاتحہ کا پڑھنا بدرجہا
بہتر ہے۔

مشہور حنفی عالم دین حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی نے
سورہ فاتحہ کی اہمیت کو محسوس فرمالیا ہے۔ وہ نمازِ جنازہ کے موقع پر
مقتدیوں سے خطاب کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھیں۔
تو جب ایک مستند حنفی عالم کے نزدیک نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنی چاہیے
اور خلف الامام پڑھنی چاہیے تو پھر میرا خیال ہے عام نمازوں میں فاتحہ
خلف الامام کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

صوفی عبدالحمید صاحب فتاوی قاضیخاں ج ۱ ص۹۳ اور درمختار ج ۱ ص۱۲۲
کے حوالے سے فرماتے ہیں قرآن کا پڑھنا نماز جنازہ میں غیر مشروع ہے
البتہ ثنا کے مقام پر اگر بطور ثنا و تحمید کے پڑھ لے تو مضائقہ نہیں۔
(نماز مسنون ص۷۳۶)

حالانکہ ایسی کوئی حدیث نہیں جس میں یہ ہو کہ نماز جنازہ میں قرآن پڑھنا
منع ہے — کہتے ہیں بطور ثنا و تحمید کے پڑھ لے۔ اس کا مطلب یہ ہے
قرآن کو قرآن سمجھ کر نہ پڑھے۔ میں پوچھتا ہوں کیا قرآن کو قرآن نہ سمجھنا
کفر نہیں ہے۔ ایک مسئلہ تبلائیے کوئی حائضہ یا جنبی قرآن مجید ہاتھ میں

پکڑ کر پڑھنا شروع کر دیں اور کہیں ہم قرآن سمجھ کر نہیں عام کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے۔

صوفی صاحب موصوف فرماتے ہیں ان عبد اللہ بن عمر کان لایقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ (موطا امام مالک ص۷۹) بے شک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

اگر حدیث کے مقابلے میں اقوال پر ہی چلنا ہے تو عبد اللہ بن مسعودؓ جو حنفیہ کو خاص طور پر عزیز ہیں ان کے متعلق مصنف ابن شیبہ میں آتا ہے کہ وہ نماز جنازہ میں قرأت فرماتے تھے۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ عمل چونکہ حنفیہ کے موافق نہیں اس لیے اس کا ذکر صوفی صاحب نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے برعکس ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یوقت فیھا قولا ولا قراءۃ (ابن قیمہ ج ۲ ص۴۸۵) بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ میں کوئی دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ (سورہ فاتحہ کے علاوہ) کوئی خاص سورت پڑھنی مقرر نہیں فرمائی۔ اگر مطلق قرارت کی نفی ہو تو پھر تو نماز جنازہ میں کوئی دعا بھی نہیں مانگنی چاہیے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ نے قراءت کے ساتھ دعا کا ذکر بھی کیا ہے۔

نماز جنازہ بالجہر

گذشتہ باب میں مذکور طلحہ بن عبد اللہ بن عوف والی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ بالجہر بھی جائز ہے۔ نیز عوف بن مالک اشجعی

سے روایت ہے سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصلی علی جنازۃ یقول اللھم اغفرلہ وارحمہ ..... فتمنیت ان لوکنت انا المیت (مسلم ص۳۱۱) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے سنا اللھم اغفرلہ وارحمہ الخ اس میت پر آپؐ نے اس طرح دعا فرمائی کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کاش یہ مرنے والا میں ہوتا صحیح مسلم ہی میں اس سے قبل ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں فحفظت من دعائہ وھو یقول اللھم اغفرلہ۔ یعنی جنازے پر آپ نے یہ دعا پڑھی اور مجھے یاد ہو گئی۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں سمعت اور حفظت کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالجہر دعا مانگی۔ نیز فرماتے ہیں ظاہر بات یہ ہے کہ نماز جنازہ جہری اور سری دونوں طرح جائز ہے (نیل الاوطار ج ۴ ص۶۹)

ابو امامہؓ کہتے ہیں السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان یقرأ فی التکبیرۃ الاولیٰ بام القرآن مخافتۃ ثم یکبر ثلاثا والتسلیم عند الاخرۃ (نسائی ص۲۲۸) نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد آہستہ آواز میں سورہ فاتحہ پڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور آخر میں سلام پھیرے۔

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی مدظلہ نے اس حدیث سے نماز جنازہ کے سری پڑھنے پر استدلال کیا ہے (احکام الجنائز ص۱۴۱) مگر یہ استدلال ذرا کمزور نظر آتا ہے کیونکہ یہی تو ایک حدیث نہیں جو اس بارے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہو۔ دیگر احادیث صحیحہ سے باقاعدہ جہری کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ لہٰذا امام شوکانی کے الفاظ کے مطابق دونوں طرح جائز سمجھنا چاہیے۔ اگر اسی حدیث کو حرف آخر قرار دے دیا جائے تو پھر اس میں

جنازہ کی چار تکبیروں کا ذکر بھی ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ جائز نہیں ہونی چاہیئں۔ مگر علامہ موصوف دیگر احادیث کی بنا پر چار سے لے کر نو تک تکبیریں کو جائز سمجھتے ہیں۔ میرے ناقص مطالعہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ آٹھ ثابت ہیں مگر اس میں بھی یہ الفاظ ہیں ثم ثبت علی اربع (استذکار ابن عبدالبر بحوالہ سبل السلام ج ۲ صـــ۱۰۳)

علامہ موصوف نے ابوامامہ والی روایت کو کتاب الام ج ۱ صـــ۲۳۹ اور سنن بیہقی ج ۴ صـــ۳۹ کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے جو ذرا مفصل ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ثم لیسلم سرا فی نفسہ (کتاب الجنائز صـــ۱۴۲) پھر پوشیدہ سلام کہے۔ اب ظاہر ہے اگر امام خاموشی سے سلام پھیرے گا تو مقتدیوں کو خبر نہ ہوگی جو کہ ضروری ہے اگر یہ عمل واقعی نبی علیہ السلام کی سنت ہے تو اس کا یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ امام زیادہ بلند آواز میں سلام نہ کہے بلکہ آہستہ آواز میں کہے۔ اس سے مسئلہ زیر بحث میں بھی خود بخود تطبیق پیدا ہو جائے گی۔ یعنی ابوامامہ نے جو مخافتۃ کا لفظ بولا ہے۔ اس سے مراد پوشیدہ نہیں بلکہ آہستہ ہے اس تطبیق سے آمین بالجہر والا مسئلہ بھی بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

نیز اس روایت میں صرف دائیں طرف سلام پھیرنے کا ذکر بھی ہے حالانکہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طرف سلام پھیرا کرتے تھے (عن سعد بن ابی وقاص وعبداللہ بن مسعود ج ۱ صـــ۲۱۶)

علامہ نووی رح اس کے تحت ایک طرف سلام پھیرنے کو امام مالک رح وغیرہ کا مذہب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ضعیف روایات کا سہارا لیا ہے۔ یہ روایتیں صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اگر ایک طرف سلام پھیرنا نبی علیہ السلام سے ثابت بھی ہو تو اس کا مقصد

یہی ہوگا کہ آپ نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا ہوگا۔

ایسی روایات کے بارے میں امام شوکانیؒ بھی فرماتے ہیں انها مع قلتها ضعيفة لا تنتهض للاحتجاج (نیل الاوطار ج ۲ صفحہ ۳۰۹) یہ کم بھی ہیں اور ضعیف بھی اور استدلال کے قابل نہیں۔

نیز آخر میں ایک یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ابوامامۃ تابعی ہیں صحابی نہیں لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔

نماز جنازہ میں دُعائیں

جس طرح حنفی برادران نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے مگر بعد میں ختم قرآن کی کئی تقریبیں منعقد کرتے پھرتے ہیں۔ یہی حال ان کے دُعا مانگنے کا بھی ہے نماز جنازہ میں تو دُعا کا جھٹکا کر کے رکھ دیتے ہیں اور بعد میں لمبی چوڑی دُعا مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر کھوپڑی پر بیٹھ کر تو پتہ نہیں کتنی سو بار فاتحہ کہی جاتی ہے اور دُعا مانگی جاتی ہے۔ ہر آنے والا رجسٹر پر حاضری لگوانے کی طرح آواز دے کر اپنے حصے کی الگ دُعا منگوانا ضروری خیال کرتا ہے۔ ان دونوں قسم کی دُعاؤں کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اصل دُعا اور قبولیت دُعا کا وقت سنت کے مطابق نماز جنازہ کے بیچ میں ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد دُعائیں مروی ہیں۔ مثلاً اللهم اغفرله وارحمه الخ عن عوف بن مالک (مسلم صفحہ ۳۱۱) اللهم اغفر لحينا وميتنا الخ (عن ابی ہریرۃ ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۴۱) (ابوداؤد ج ۳ صفحہ ۱۸۸) اللهم ان فلان بن فلان فی ذمتك الخ (عن واثلة بن اسقع ابوداؤد ج ۳ صفحہ ۱۸۹) اللهم انت ربها وانت خلقتها الخ (عن ابی ہریرہ، ابوداؤد ج ۳ صفحہ ۱۸۸) اللهم انه عبدك وابن عبدك الخ (عن یزید بن رکانہ۔ مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۳۵۹)

یہ دُعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ کے بیچ میں پڑھنا ثابت ہیں
یہ کیسی عجیب بات ہے یہ لوگ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اس لیے نہیں پڑھتے
کہ بقول ان کے یہ دُعا ہے (اور پھر دُعا بھی صحیح طریقے سے نہیں مانگتے) اور
بعد میں یوں دُعا مانگتے ہیں جیسے پنج وقتہ نمازوں کے بعد مانگتے ہیں۔ یعنی
جب اسے نماز سمجھنا چاہیے تھا تو اسے دُعا سمجھ لیا اور جب ان کے اپنے
بقول اسے دُعا سمجھنا چاہیے تھا تو اسے نماز سمجھ لیتے ہیں ورنہ دُعا کے
بعد دُعا کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

ایک ستم ظریف نے کیا خوب کہا ہے کہ اہلحدیث نماز جنازہ کے بیچ
میں دُعا مانگتے ہیں۔ بریلوی نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگتے ہیں اور دیوبندی
نہ نمازِ جنازہ کے بیچ میں دُعا مانگتے ہیں نہ بعد میں مانگتے ہیں۔

جنازہ کے وقت امام کہاں کھڑا ہو

ابوغالب سے روایت ہے کہ انس بن مالک رضؓ کے پیچھے مجھے ایک آدمی
(حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ) کی نماز جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تو حضرت انسؓ
نے میت کے سر کے بالمقابل کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ پھر ایک قریشی
عورت کا جنازہ لایا گیا تو حضرت انسؓ اس کے وسط کے برابر کھڑے ہوئے
پوچھنے پر بتلایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی دیکھا ہے (ترمذی
ج ۲ ص ۱۴۶) مگر ہدایہ ص ۱۳۹ میں لکھا ہے میت مرد ہو یا عورت امام
اس کے سینے کے برابر کھڑا ہو کیونکہ سینے میں دل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی
یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے نزدیک حضرت انس کی روایت کے مطابق
سنت طریقہ یہ ہے کہ میت مرد ہو تو امام اس کے سر کے برابر عورت ہو تو
اس کے وسط کے برابر کھڑا ہو ۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ یہ کس قسم کے

حنفی ہیں جو حدیث شریف سے غداری کے مرتکب تو ہوتے ہی ہیں اپنے امام ابو حنیفہؒ صاحب کا فتوےٰ بھی نہیں مانتے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے میت مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے برابر کھڑا ہونے کی کوئی حدیث ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسجد میں جنازہ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سہیل بن البیضاء الا فی المسجد (مسلم ص۳۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا تھا۔

نیز ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد و ان صہیبا صلی علی عمر فی المسجد۔ حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کا اور حضرت صہیبؓ نے حضرت عمرؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا۔ ہدایہ ص۱۳۹) کے مطابق حنفیہ مسجد میں نماز جنازہ کے قائل نہیں۔ دلیل میں یہ حدیث بیان کی ہے من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ (عن ابی ہریرۃ ابوداؤد) جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اسے کوئی ثواب نہیں۔

اول تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (شرح مسلم نووی ص۳۱۳) اور پھر الفاظ فلا اجر لہ کے متعلق خود ہدایہ کے حاشیہ میں ابن عبدالبر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بالکل غلط ہیں اصل الفاظ فلا شی لہ یا فلا شئ علیہ ہیں (ابوداؤد ج ۳ ص۱۸۲)

نیز لکھا ہے لانہ بنی لاداء المکتوبات ولانہ یحتمل التلویث اس لیے کہ مسجد فرضی نمازیں ادا کرنے کے لیے بنائی گئی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کے آلودہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

حالانکہ معلوم ہے کہ مسجد میں فرضی نمازوں کے علاوہ بے شمار قسم کی نفلی نمازیں بھی پڑھی جاتی ہیں دیگر عبادات بھی ہوتی ہیں ۔ اور پھر نماز جنازہ نفلی نماز نہیں ہے یہ فرض کفایہ ہے ۔

مسجد کا ملوث ہو جانا بھی ایک موہوم سا خیال ہے مسجد حرام اور مسجد نبوی جو دنیا کی مقدس ترین مسجدیں ہیں ۔ وہاں روزانہ جنازے پڑھے جاتے ہیں .... تلویث کا کبھی کسی کو خیال بھی نہیں آیا ۔ تلویث کا لفظ تو فقط ایک بہانہ ہے اور ایک کٹ حجتی ہے ورنہ ان کے نزدیک تو جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہو تب بھی مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵)

صوفی عبدالحمید صاحب نے اس باب میں وسعت سے کام لیتے ہوئے حنفی مسئلہ کو تشدد تعمق اور شریعت کے مزاج کے منافی قرار دیا ہے اور مسجد میں جنازہ پڑھنے کو جائز رکھا ہے (نماز مسنون ص ۷۲۸)

نماز جنازہ کی قضا

جو شخص نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے ۔ وہ اگر چاہے تو عام نمازوں کے قاعدے کے مطابق بعد میں پڑھ سکتا ہے اکیلا بھی پڑھ سکتا ہے باجماعت بھی پڑھ سکتا ہے ۔ ارشاد نبوی ہے من نسی الصلوٰۃ فلیصلها اذا ذکرھا (عن ابی ہریرہ مسلم ص ۲۳۸) کوئی نماز بھول جاؤ تو یاد آنے پر اسے پڑھ لو ۔

اس میں کسی نماز کی تخصیص یا استثناء نہیں ہے ۔ بلکہ قبر پر بھی پڑھ سکتا ہے ۔ حتیٰ کہ غائبانہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ۔ حنفیہ ان میں سے کوئی صورت بھی جائز نہیں سمجھتے ۔ صرف پہلی صورت میں

ولی اگر نہ پڑھ سکا ہو تو کمال مہربانی سے اسے اعادہ کی اجازت دیتے ہیں۔
(ہدایہ ص ۱۳۸)

مگر اب سب چلتا ہے۔ نماز جنازہ بار بار بھی ہوتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے لوگ اب تقلید سے حبس محسوس کرنے لگے ہیں اور خدا کی مخلوق تقلید کے ٹھیکیداروں کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ آپ حیران رہ جائیں گے بانی مذہب حنفی امام ابو حنیفہؒ کے متعلق علامہ شبلی نعمانی حنفیؒ اپنی مشہور کتاب سیرت النعمان میں لکھتے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہو سکی اور دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھتے رہے (حصہ اوّل ص ۴۹)

اس سے ثابت ہوا فقہ حنفی امام صاحب کے بعد ایک دن بھی نہ چل سکی۔ ابھی ان کی میت سپرد خاک نہیں ہوئی تھی کہ جنازہ پڑھنے والے مسلمانوں کا سیلِ عظیم اسے بہا لے گیا ۔ اور پھر بیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ صرف حضرت امام صاحب کا جنازہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ بلکہ تقلید کا جنازہ بھی تھا جو اوّل روز ہی نکل گیا۔ بلکہ اپنی پیدائش سے پہلے نکل گیا۔

نیز گذارش ہے جنازہ غائبانہ کا جھگڑا بھی فضول ہے یہ بحث لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے احناف کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ جائز ہی نہیں خواہ جنازہ غائب ہو یا حاضر ہو یا بصورت قبر ہو۔

حضرت علیؓ نے سہل بن حنیف کا جنازہ پڑھایا قرظہ بن کعب وغیرہ بعد میں آئے تو انہوں نے حضرت علیؓ کی اجازت سے دوبارہ نماز جنازہ کی امامت کرائی (بیہقی ج ۴ ص ۴۵)

اسی طرح ایک جنازہ ہو چکا۔ حضرت انسؓ بعد میں تشریف لائے۔ چارپائی

ابھی پڑی تھی تو آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی (ایضًا)

صلوٰۃ الخوف

صلوٰۃ الخوف با جماعت پڑھنے کے مختلف طریقے احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ مسلح افواج دو حصوں میں تقسیم ہو کر باری باری امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں۔ معرکہ کارزار زیادہ گرم ہو تو اس کے بارے میں بروایت عبداللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ فان کان خوف ھو اشد من ذلك صلوا رجالا قیاما علیٰ اقدامھم او رکبانا مستقبلی القبلة او غیر مستقبلیھا (بخاری ص۶۵۱) اگر خوف زیادہ شدید ہو تو پیدل کھڑے کھڑے یا سوار ہو کر قبلہ رُو یا بغیر قبلہ رُو نماز پڑھ لیں۔

چنانچہ عبداللہ بن انیسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے مجھے خالد بن سفیان ہذلی کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تو اس موقع پر میں نے اشارے سے عصر کی نماز پڑھی (احمد ج۴ ص۵ ابوداؤد ج ۱ باب صلوٰۃ الطالب ص۴۸۵)

امام ابوحنیفہؒ دشمن کے تعاقب میں جانے والے کے لیے پیدل نماز کو جائز نہیں سمجھتے (عمدۃ القاری ج ۶ ص۲۶۳)

اگر کسی طرح موقع نہ ملے تو نمازوں کو قضا کر کے جمع بھی کیا جا سکتا ہے جیسے غزوہ خندق کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اکٹھی چار نمازیں پڑھائی تھیں (ترمذی ج ۱ ص۱۵۸)

صلوٰۃ الفتح

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہونے کے

موقع پر حکم دیا تھا وادخلوا الباب سجداً (البقرہ ۵۸) دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ مگر اس کے برعکس انہوں نے اکڑ کا مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو گیا۔

مسلمانوں کو جب فتوحات نصیب ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر نازل فرمائی جس میں ہے فسبح بحمد ربك واستغفرہ۔ اپنے رب کی تسبیح بیان کرو اور اس سے استغفار کرو —— مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی علیہ السلام کے عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ کی پیشانی مبارک جھک کر پالان کو چھو رہی تھی (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ا صـــ ۹۸)

حضرت علی رضؓ کی ہمشیرہ ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ اس روز نبی علیہ السلام نے میرے گھر میں نہایت ہلکی پھلکی مگر مکمل رکوع و سجود کے ساتھ آٹھ رکعتیں ادا فرمائی تھیں (بخاری صـــ ۱۵۷)

بعض کا خیال ہے کہ یہ صلواۃ الضحیٰ تھی — حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جب ایوانِ کسریٰ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو وہاں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا صـــ ۹۹)

صلوٰۃ الضحیٰ

یعنی چاشت کی نماز۔ اسے نماز اشراق اور نماز اوابین بھی کہتے ہیں۔

ارشادِ نبوی ؐ ہے یصبح علیٰ سلامی من احدکم صدقۃ فکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ۔ وکل تھلیلۃ صدقۃ وکل تکبیرۃ صدقۃ وامر بالمعروف ونھی عن المنکر صدقۃ ویجزئ من ذلك رکعتان یرکعھما من الضحیٰ (عن ابی ذر، مسلم صـــ ۲۵۰)

ہر صبح تمہاری ہر ہڈی پر صدقہ لازم ہو جاتا ہے جو کہ ایک روایت کے

مطابق ۳۶۰ ہیں (مسلم بحوالہ شرح مسلم نووی صفحہ ۲۵) پس ہر تسبیح صدقہ ہے ہر حمد صدقہ ہے لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر صدقہ ہے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا صدقہ ہے اوران سب سے یہ چیز کفایت کرتی ہے کہ انسان دو رکعت صلوٰۃ الضحیٰ پڑھ لے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں :۔
اوصانی خلیلی بثلاث بصیام ثلاثۃ ایام من کل شھر و رکعتی الضحیٰ وان اوتر قبل ان انام (مسلم صفحہ ۲۵۰) میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین نصیحتیں فرمائیں، ہر ماہ تین روزے رکھوں دو رکعت صلوٰۃ الضحیٰ پڑھوں اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الضحیٰ اربعا ویزید ما شاء (مسلم صفحہ ۲۴۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الضحیٰ چار رکعت پڑھتے تھے اور جی چاہتا تو زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے۔

اور خود حضرت عائشہؓ کے متعلق آتا ہے انھا کانت تصلی الضحیٰ ثمانی رکعات ثم تقول لو نشر لی ابوای ما ترکتھن (مؤطا امام مالک صفحہ ۵۳) کہ وہ صلوٰۃ الضحیٰ آٹھ رکعت پڑھتی تھیں اور فرماتیں میرے ماں باپ بھی قبروں سے اٹھ کر آجائیں تب بھی ان کو نہ چھوڑوں۔

گذشتہ باب میں گزر چکا ہے کہ فتح مکہ والے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (بخاری صفحہ ۱۵۷ مسلم صفحہ ۲۴۹) ویسے اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صلوٰۃ الفتح تھی یا صلوٰۃ الضحیٰ۔

ترمذی میں ایک روایت حضرت انسؓ سے بارہ رکعت کی بھی آتی ہے (صفحہ ۳۴۶) مگر وہ ضعیف ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

یا حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ کو صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا اور وہ خود بھی نہیں پڑھتے تھے (بخاری ص۱۵۷) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی سبحۃ الضحیٰ قط وانی لا سبحھا وان کان رسول اللہ لیدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیتہ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم (مسلم ص۲۴۹) میں نے حضورؐ کو کبھی صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا نبی علیہ السلام بسا اوقات ایک عمل کو پسند فرماتے تھے مگر اس ڈر سے نہیں کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو لوگ بھی عمل کرنے لگ جائیں اور وہ ان پر فرض ہو جائے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ کی نماز پڑھتے تھے تو جواب دیا لا الا ان یجیٔ عن مغیبہ (مسلم ص۲۴۸) کہ نہیں البتہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پڑھتے تھے۔

ان حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یا حضرت عائشہؓ نے واقعی نبی علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہ دیکھا ہو تو یہ ان کے دیکھنے کی نفی ہے نہ کہ حضورؐ کے پڑھنے کی۔ یا یہ کہ انہوں نے حضورؐ کو مداومت کرتے نہیں دیکھا۔ یا یہ کہ انھوں نے حضورؐ کو مسجد میں پڑھتے نہیں دیکھا۔ اثبات میں پائی جانے والی متعدد احادیث صحیحہ کی وجہ سے ان تاویلات کی ضرورت پڑی ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ کا وقت طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے۔ تاہم بہتر وقت وہ ہے جب دھوپ گرم ہو جائے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے لوگوں کو چاشت کے وقت (شاید ذرا جلدی) نماز پڑھتے دیکھ کر کہا انہیں معلوم ہے کہ اس نماز کا افضل وقت اور ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال (مسلم ص۲۵۷) صلوٰۃ الاوابین

یعنی رجوع کرنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹوں کے بچوں کے پاوں تپنے لگیں۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا صلوٰۃ الضحیٰ کا دوسرا نام ہی صلوٰۃ الاوابین ہے۔ محمد بن منکدر سے مروی ایک مرسل روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھے جانے والے نوافل کو صلوٰۃ الاوابین فرمایا ہے (قیام اللیل مروزی ص۵۷) اگر اس روایت میں کچھ جان ہو تو اس کے بارے میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے یہ دونوں نمازیں ہی صلوٰۃ الاوابین ہوں (نیل الاوطار ج ۳ ص۵۹) لیکن یہ کہنا کہ بس یہی صلوٰۃ الاوابین ہے غلط بات ہے۔ جو ایسا کہتے ہیں لگتا ہے صحیح مسلم والی حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر ہے انہ کان للاوابین غفورا (بنی اسرائیل ـ ۲۵) اس اوابین سے بھی بعض علماء نے صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنے والے مراد لیے ہیں (نیل الاوطار ج ۳ ص۶۷)

بہت سے لوگوں نے اشراق اور ضحیٰ میں بھی فرق کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں جو نماز سورج چڑھنے کے بعد جلدی پڑھ لی جائے وہ اشراق ہوتی ہے اور ٹھہر کر نو بجے پڑھی جانے والی نماز صلوٰۃ الضحیٰ کہلاتی ہے اس خیال کی تردید کے لیے یہ حدیث کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قعد فی مصلاہ حین ینصرف من صلوٰۃ الصبح حتیٰ یسبح رکعتی الضحیٰ لا یقول الاخیرا غفرلہ خطایاہ وان کان مثل زبد البحر۔ (عن معاذ بن انس جہنی ابو داؤد ص۱۹۶) جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس نے دو رکعت ضحیٰ کی نماز پڑھی۔ اس دوران میں اس نے صرف اچھی بات کہی تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

معلوم ہوا نماز فجر اور نماز ضحیٰ کے درمیان کوئی نماز اشراق نہیں ہے

اگر بلحاظ اوقات اپنے سمجھنے کے لیے اسی نماز چاشت کے دو الگ الگ نام رکھ لیے جائیں تو قابل اعتراض نہیں کیونکہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں امر واقع نہیں ہے۔ میرے خیال کے مطابق اشراق کا لفظ کسی حدیث میں ہے بھی نہیں۔ قرآن مجید میں ہے انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق (ص ـ ۱۸) ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا حضرت داؤد کے ساتھ جو سورج ڈھلے اور سورج نکلے تسبیح کہتے تھے۔

سنن ابن منصور میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس آیت میں اشراق سے مراد وقت ضحیٰ ہے۔

سورہ نور (۳۶) میں ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی کے مطابق اس آیت میں بھی حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک غدو سے مراد وقت ضحیٰ ہی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۶۷)

نماز استخارہ

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلھا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ھم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل۔

نبی علیہ السلام ہمیں ہر کام کے لیے دعائے استخارہ قرآن کی سورت کی طرح سکھلاتے تھے۔

فرمایا جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو دو نفل پڑھ کر یہ دعا مانگو۔

اللھم انی استخیرك بعلمك	یا اللہ تیرے علم کی مدد سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں ۔
واستقدرك بقدرتك	اور تیری قدرت سے قدرت چاہتا ہوں
واسالك من فضلك العظیم	اور تجھ سے تیرا فضل عظیم مانگتا ہوں
فانك تقدر ولا اقدر	تو قادر ہے میں قادر نہیں ہوں ۔
وتعلم ولا اعلم وانت علوم الغیوب	تو جانتا ہے میں نہیں جانتا ۔ تو عالم الغیب ہے ۔
اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیرلی فی دینی و معاشی وعاقبہ امری فاقدرہ لی ویسرہ ثم بارك لی فیہ ۔	اے اللہ پاک ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین میں میری دنیا میں اور میرے انجام میں بہتر ہے تو اس کو میرے نصیب میں کر اس کو آسان بنا اور اس میں میرے لیے برکت فرما ۔
وان کنت تعلم ان ھذا الامر شرلی فی دینی ومعاشی وعاقبتہ امری فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ ۔ قال ویسمی حاجتہ البخاری ص۱۵۵	اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین میں میری دنیا میں اور میرے انجام میں برا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے نصیب میں خیر کر جہاں بھی ہو پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر ۔

فرمایا پھر یہ الفاظ کہہ کر انسان اپنی ضرورت بیان کرے ۔

بعض لوگ استخارے کے بعد خواب کے منتظر رہتے ہیں ۔ خواب نہ آئے تو سمجھتے ہیں استخارہ رائیگاں گیا ۔ اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعے کسی کی

راہنمائی فرما دے تو بے شک یہ مبشرات میں سے ہے ورنہ خواب استخارے کا حصہ نہیں ہے۔

نمازِ استسقاء

حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے رائیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم خرج لیستسقی قال فحول الی الناس ظھرہ و استقبل القبلۃ یدعو ثم حول ردائہ ثم صلی لنا رکعتین جھر فیھما بالقراءۃ (بخاری ص ۱۳۹) جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لیے نکلے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ نے لوگوں کی طرف پیچھا کر کے قبلہ رُو ہو کر دُعا مانگی۔ پھر اپنی چادر پلٹائی پھر جہری قرأت کے ساتھ ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بدا حاجب الشمس فقعد علی المنبر فکبر وحمد اللہ ثم قال الحدیث (ابوداؤد ص ۴۵۵) کنارہ آفتاب ظاہر ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لیے نکلے۔ منبر پہ بیٹھے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر ارشاد فرمایا الخ

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان استسقاء میں دو رکعت نماز باجماعت، خطبہ اور چادر پلٹانا بھی سنت ہے۔ سب مسلمانوں کا یہی مسلک ہے مگر بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز بھی مسنون نہیں ہے (ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵)

صحیحین کی واضح احادیث کے پیش نظر صوفی عبدالحمید صاحب دیوبندی بھی نماز استسقاء کو تسلیم کرنے پہ مجبور ہیں مگر چونکہ وہ آخر مقلد ہیں اس لیے

انہیں امام ابو حنیفہ رح کے قول کی لاج بھی رکھنی ہے بقول ان کے امام صاحب کا مطلب صرف اتنا ہے کہ نماز استسقاء ضروری اور سنت لازمہ نہیں ہے (نماز مسنون ص ۵۸۳ و ص ۵۸۵) مگر اس صفائی کا اس وقت صفایا پھر جاتا ہے جب ہم امام صاحب رح کے قول کی تائید کے لیے ہدایہ میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں ولم تروعنہ الصلوٰۃ (ص ۱۳۴) نبی علیہ السلام سے نماز استسقاء ثابت ہی نہیں ہے۔ ضروری اور غیر ضروری کا مسئلہ تو بعد میں پیدا ہوتا ہے۔

نماز کسوف

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں ان الشمس خسفت علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبعث منادیا الصلوٰۃ جامعۃ فتقدم فصلی اربع رکعات فی رکعتین و اربع سجدات (بخاری ص ۱۴۳ مسلم ص ۲۹۶) عہد نبوی میں سورج کو گرہن لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا جو نماز کا اعلان کرے پھر آگے بڑھ کر آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔

اس روایت سے ایک رکعت میں دو رکوع ثابت ہوئے نیز حضرت عبداللہ بن عباس رض اور عبداللہ بن عمرو رض سے صحیحین میں اور جابر بن عبداللہ سے مسلم میں بھی روایت ہے کہ آپ نے ایک ایک رکعت میں دو دو رکوع کیے۔ حضرت عائشہ رض اور جابر رض سے فی رکعت تین رکوع بھی مروی ہیں (مسلم ص ۲۹۶ و ص ۲۹۷) حضرت ابن عباس رض اور حضرت علی رض سے فی رکعت چار رکوع بھی مروی ہیں (مسلم ص ۲۹۹) اور ابی بن کعب رض سے فی رکعت پانچ رکوع بھی مروی ہیں (ابوداؤد ج ۱ ص ۴۵۹) بعض علماء نے ان احادیث کو تعدد واقعات پر محمول کر کے سب صورتوں کو جائز رکھا ہے۔ بعض کا خیال ہے

نبی علیہ السلام نے زندگی میں ایک ہی بار نماز کسوف ادا فرمائی ہے۔ اور وہ اس دن جب آپ کے شیر خوار بیٹے ابراہیمؓ فوت ہوئے تھے اور صحیح یہ ہے کہ آپ نے ایک رکعت میں دو رکوع ہی کیے تھے۔ باقی روائتیں اس کے مقابلے میں مرجوح ہیں بخاری شریف کی روایتیں اسی پر دال ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ اسی بات کے حامی ہیں (زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۱۲۶) امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور کا بھی یہی مسلک ہے (نیل الاوطار ج ۳ صفحہ ۳۴۸) حنفیہ صرف ایک رکوع کے قائل ہیں (ہدایہ صفحہ ۱۳۴) جس کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔

صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر متعدد رکوع کیے ہیں۔ وہ ایک خاص کیفیت کے پیش نظر۔ ایک خاص کیفیت اور حالت آپ پر طاری تھی آپ بار بار رکوع کرتے تھے لیکن اُمت کے لیے بطور قانون یہ فرمایا جیسا کہ حضرت قبیصۃ الہلالیؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاذا رأیتموھا فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموھا من المکتوبۃ۔ (ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۴۶۱ نسائی ج ۱ صفحہ ۱۷۶) کہ جب تم دیکھو سورج گرہن کو تو تم نماز پڑھو اس طرح جس طرح کہ قریب تر نماز تم نے پڑھی ہے فرض نمازوں میں سے (وہ صبح یا ظہر کی نماز ہو سکتی ہے) نماز مسنون صفحہ ۵۹۱)

یہ تحقیق بالکل اسی نمونے کی ہے جیسے وقت نماز فجر کے سلسلے میں آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ حنفی مصنف اپنی نماز مدلل میں لکھتے ہیں آپ کا عمل عام طور پر غلس اور اندھیرے میں نماز پڑھنے کا تھا لیکن عوام کی سہولت کے لیے آپ نے ہی اُمت کو اسفار میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

احناف دراصل اہل سنت سے بھی اپنا نام کٹوانا نہیں چاہتے اور تقلید بھی امام ابوحنیفہ ہی کی کرنا چاہتے ہیں دو کشتیوں میں سواری کے شوق نے انہیں عجیب مخمصے میں ڈال رکھا ہے۔ درس و تدریس میں بھی اور تصنیف

وتالیف میں بھی ان کی بے چارگی اور پریشان خاطری دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

جہاں تک قبیصہ ہلالی رضؓ والی روایت کا تعلق ہے۔ سو گزارش ہے کہ وہ ہرگز ایک رکوع کے بارے میں نص نہیں ہے۔ مشابہت کا من کل الوجوہ پایا جانا ضروری نہیں ہوتا۔ قول امام سے ہمدردی جتلانے کے لیے ابوداؤد اور نسائی کی غیر صریح روایت کو صحیحین کی صریح روایات کے مقابلے میں لانا نہایت جرأت کا کام ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے۔ ثم انصرف وقد انجلت الشمس فخطب الناس فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا یخسفان لموت احد ولا لحیواتہ فاذا رأیتم ذلک فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا (بخاری صـ۱۴۳ - مسلم صـ۲۹۵) پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ اس وقت تک سورج روشن ہو چکا تھا پھر آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور فرمایا بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے انہیں خسوف نہیں لگتا جب تم یہ بات دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اس کی بزرگی بیان کرو نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ الخ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا۔ خطبے کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور حضرت اسماءؓ سے (بخاری صـ۱۴۴ مسلم صـ۲۹۸) میں اور جابر بن عبداللہؓ سے (مسلم صـ۲۹۷) میں بھی موجود ہے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ (عن عائشہ نسائی صـ۱۷۸) مگر حنفیہ خطبہ کے بھی قائل نہیں (ہدایہ صـ۱۳۴)

گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سورج گرہن کی نماز پڑھائی تھی مگر

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کسوف قمر کی نماز بھی اسی طرح مسنون ہے۔ مگر حنفیہ کسوف قمر میں با جماعت نماز کو بھی جائز نہیں سمجھتے (ہدایہ صـ۱۳۴)

نماز کسوف میں جہری قرأت

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے جهر النبی صلی اللہ علیه وسلم فی صلوٰة الکسوف بقراءته (بخاری صـ۱۴۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں قرأت بالجہر فرمائی۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے (صـ۳۹۳) جس کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں وبھذا الحدیث یقول مالك واحمد واسحٰق۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا یہی قول ہے اس سے پہلے سمرہ بن جندب سے یہ روایت لائے ہیں کہ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی کسوف لا نسمع له صوتا۔ ہمیں نبی علیہ السلام نے نماز کسوف پڑھائی۔ ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے۔ اور لکھا ہے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں امام شافعیؒ کے علاوہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب قرار دیا ہے کہ سورج گرہن میں سری اور چاند گرہن میں جہری قرأت کی جائے۔ معلوم ہوتا ہے امام مالکؒ سے دونوں طرح مروی ہے۔ نیز یاد رہے صاحبین نے امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ہدایہ صـ۱۳۴

جہر کی دلیل زیادہ قوی ہے۔ نیز سمرہ نے یہ نہیں کہا کہ حضورؐ کی قرأت سری تھی بلکہ یہ ہے کہ ہم سنتے نہیں تھے۔ تو ممکن ہے وہ دور کھڑے ہوں نیز انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم قرأت نہیں سنتے تھے بلکہ مطلق نہ سننے کا ذکر ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تکبیرات رکوع وسجود بھی نہیں سنتے ہوں گے۔ حالانکہ تکبیرات کے سری ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بیہقی میں ایک روایت تین سندوں سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نماز کسوف میں نبی علیہ السلام کے پہلو میں (جنب رسول اللہ ﷺ) کھڑے تھے مگر انھوں نے ایک حرف بھی نہ سُنا (ج ۳ ص ۳۳۵) مگر اس کی کوئی سند بھی صحیح نہیں نیز حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ابوداؤد (ص ۴۶) میں آتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں فحزرت قرادتہ فرأیت انہ قرأ سورۃ البقرۃ میرے اندازے کے مطابق آپؐ نے سورہ بقرہ پڑھی۔ اس سے شک پڑتا ہے کہ آپ نے سری قرأت فرمائی ہوگی۔ مگر یہ روایت حنفیہ کے کام کی نہیں۔ کیونکہ اس میں محمد بن اسحٰق ہے اور وہ یہ الفاظ نقل کرنے میں منفرد ہے۔ نیز بخاری شریف کی واضح حدیث کے مقابلے میں ابوداؤد کی اس غیر واضح حدیث کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

صوفی عبدالحمید صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ زیادہ تر حصہ آپ نے آہستہ پڑھا تھا اور کچھ حصہ جہر کے ساتھ بھی پڑھ لیا ہوگا ..... قرأۃ بالجہر یا بالاخفاء دونوں طرح روا ہے صرف افضلیت میں اختلاف ہے (نماز مسنون ص ۵۹۰)

نماز کسوف اور امام راتب

حنفیہ نے ایک یہ قید لگائی ہے۔ ویصلی بھم الامام الذی یصلی بھم الجمعۃ وان لم یحضر صلی الناس فرادی تحرزا عن الفتنۃ (ہدایہ ص ۱۳۴) جو امام جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے وہی نماز کسوف پڑھائے اگر وہ (امام راتب) موجود نہ ہو تو لوگ فتنے سے بچنے کے لیے اکیلے نماز پڑھ لیں۔

یہ بات انتہائی مہمل اور بہت بے تکی ہے۔ فتنے کا فرضی خوف تو ہر

نماز کے بارے میں ہو سکتا ہے جب بھی امام جمعہ موجود نہ ہو تو کوئی بھی جماعت بلکہ جمعہ بھی جائز نہیں ہونا چاہیے۔

زلزلہ کے وقت نماز

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے زلزلہ کے موقع پر بھی نماز کسوف کی طرح متعدد رکوعوں کے ساتھ نماز پڑھنا مروی ہے (عون المعبود ص ۴۶۳ بحوالہ کتاب الام۔ بیہقی ج ۳ ص ۳۴۳ کنز العمال وغیرہ)

طوفان بادوباراں کے وقت نماز

نضر بن عبداللہ کہتے ہیں ایک دفعہ کالی گھٹا چھا گئی تو میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کیا حضورؐ کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا تھا تو کہنے لگے خدا کی پناہ ہم سخت آندھی میں فوراً مسجدوں کا رُخ کرتے تھے۔ ڈر ہوتا کہیں قیامت نہ آجائے (ابوداؤد باب الصلوٰۃ عند الظلمۃ ص ۴۶۳)

صلوٰۃ التوبہ

ارشاد نبویؐ ہے ما من رجل یذنب ذنبا ثم یقوم فیتطھر ثم یصلی ثم یستغفر اللہ الا غفر لہ (عن ابی بکرؓ ترمذی ص ۳۱۳)
جس شخص سے بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔

نماز حاجت

عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ سے یا کسی بندے سے کوئی کام ہو تو اسے چاہیے کہ سنت کے مطابق وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے۔ حمد باری تعالیٰ اور درود شریف پڑھ کر یہ کلمات کہے۔

لا الٰہ الا اللہ	اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں
الحلیم الکریم	وہ بردبار اور سخی ہے۔
سبحان اللہ رب العرش العظیم	وہ پاک ہے وہ عرش عظیم کا مالک ہے
الحمد للہ رب العالمین۔	سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو
	رب کائنات ہے۔
اسئلك موجبات	اے اللہ! میں تجھ سے ایسے اعمال
رحمتك	کی توفیق مانگتا ہوں جو تیری رحمت کے
وعزائم مغفرتك	حصول کا سبب بنیں میں تجھ سے
	عزیمت والی بخشش ہر گناہ سے
والعصمة من كل ذنب	تحفظ ہر نیکی کی توفیق اور ہر معصیت
والغنيمة من كل بر	سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں۔
والسلامة من كل اثم	اے اللہ پاک میرے ہر گناہ کو معاف
لا تدع لی ذنبا الا غفرته	فرما دے میری ہر حاجت جو تیری
ولا هما الا فرجته	رضا کے لیے ہو اسے پورا فرما دے
ولا حاجة هی لك رضا الا	اے سب سے بڑے رحم فرمانے
قضيتها يا ارحم الراحمين	والے۔

(ترمذی ص۳۴۸)

اس کی سند میں فائد بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔

نماز تسبیح

ابورافع سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اے چچا کیا میں تیرے ساتھ صلہ رحمی نہ کروں تجھے ایک عطیہ نہ دوں، تجھے ایک فائدے کی بات نہ بتلاؤں۔ انھوں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ فرمایا اے چچا چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں الحمد شریف اور کوئی سورت پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ اللہ اکبر الحمد للہ سبحان اللہ کہو پھر رکوع میں دس بار پھر رکوع سے اُٹھ کر دس بار پھر سجدے میں دس بار پھر سجدے سے اُٹھ کر دس بار پھر سجدے میں دس بار پھر سجدے سے اُٹھ کر کھڑا ہونے سے پہلے دس بار یہ کلمات کہو۔ ہر رکعت میں پچھتر بار پڑھنے سے کل تعداد تین سو ہو جائے گی ــــ عالج کی ریت کے برابر بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالےٰ انھیں معاف فرما دے گا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے روز کون پڑھ سکتا ہے فرمایا ہر روز نہیں تو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک بار یا سال میں ایک بار (ترمذی ص ۳۴۹)

یہ روایت حضرت ابن عباس سے بھی ابوداؤد میں آتی ہے (ص ۴۹۹) جس میں تسبیح کے الفاظ اس طرح ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اور آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ اگر تم سال میں بھی ایک دفعہ نہ پڑھ سکو تو زندگی میں ایک دفعہ پڑھ لو۔

یہ روایت اور بھی سندوں سے مذکور ہے تاہم ان میں کوئی بھی صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ابن جوزیؒ نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

یاد رہے ان روایتوں میں جلسہ استراحت کا ثبوت بھی ہے جو حنفی مسلک کے خلاف پڑتا ہے۔ اس لیے وہ ان حدیثوں سے گھبرا کر عبداللہ بن مبارکؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں جس میں جلسہ استراحت کی بجائے قبل از قرأت پندرہ بار اور بعد از قرأت دس بار تسبیح کا ذکر ہے (ترمذی ص۳۵۱)

نیز معلوم ہونا چاہیے نماز تسبیح باجماعت کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے نہ مردانہ کا نہ زنانہ کا۔ زنانہ کا ذکر میں نے خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ انہیں آج کل اس کا زیادہ شوق چرایا ہوا ہے۔

یہ عام طور پر ماہِ رمضان میں چاشت کے وقت باجماعت نماز تسبیح پڑھتی ہیں۔ حالانکہ نبی علیہ السلام سے نہ رمضان کا ذکر ہے نہ جماعت کا ذکر ہے نہ چاشت کا ذکر ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کو نبی علیہ السلام نے نماز تسبیح کا وقت زوال کے بعد بتلایا تھا (ابوداؤد ص۵۰۱) اس لیے سورج ڈھلنے کے بعد ہی اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

اگر تسبیحات کی گنتی میں مغالطہ لگ جائے تو عبداللہ بن مبارکؒ کے قول کے مطابق اس کمی کو سجدہ سہو میں پورا نہیں کرنا چاہیے (ترمذی ج ۱ ص۳۵۱) یعنی اس سہو کے لیے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں بلکہ اس کمی کو دوسرے ارکان میں پورا کر لینا چاہیے۔

نماز برائے حصول برکت

ایک بدری انصاری صحابی عتبان بن مالکؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میری نظر کمزور ہے۔ میں اپنے محلے کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہوں۔ بارش کے موسم میں راستہ بند ہو جاتا ہے۔ میں وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ میں چاہتا ہوں آپ میرے غریب خانہ

پر تشریف لاکر نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو جائے نماز بنا لوں۔ آپؐ نے وعدہ فرما لیا۔ عتبانؓ کہتے ہیں اگلے روز دن چڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تشریف لائے اور فرمایا۔ تم مجھ سے کہاں نماز پڑھوانا چاہتے ہو۔ میں نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے ہمیں دو رکعت باجماعت نماز پڑھائی (بخاری ص۶۰ و ص۱۵۷)

نفلی نماز باجماعت

حضرت عتبان بن مالکؓ والی مذکورہ بالا روایت سے ضمناً یہ معلوم ہوا کہ نفلی نماز باجماعت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرت انسؓ سے بھی پیچھے ایک روایت گذر چکی ہے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں جماعت کرائی تھی — (صحیحین)

اور ابن عباسؓ والی روایت کا بھی آپ مطالعہ فرما چکے ہیں جس کے مطابق انہوں نے اپنی خالہ (ام المومنین) حضرت میمونہ کے ہاں نبی علیہ السلام کے ساتھ تہجد کی نماز باجماعت پڑھی تھی (بخاری ص۹۷)

نماز صبر و استقامت

ارشاد ربانی ہے یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین (بقرہ۔۱۵۳) اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اذا حزبہ امر صلی (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ باب التطوع) جب نبی علیہ السلام کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ نماز پڑھتے۔

جب ایک ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھیننا چاہا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نماز میں مشغول ہوگئیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کو باعزت و اکرام لانے کا بندوبست فرمایا۔ (بخاری صـ۲۹۵)

نماز الفیہ

نصف شعبان المعروف شب برات کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔

حضرت علیؓ سے ایک روایت کے مطابق نبی علیہ السلام نے فرمایا اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا نھارھا (ابن ماجہ صـ۱۰۰) نصف شعبان کی رات کو قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو۔

اس میں ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن محمد ابن سبرہ ضعیف ہے اور متروک ہے۔

حضرت علیؓ سے اس باب میں ایک اور روایت آتی ہے جسے ابن جوزی نے موضوعات میں بیان کیا ہے۔

اہل بدعت کے ہاں ایک نماز صلوٰۃ الفیہ کے نام سے مشہور ہے جو نصف شعبان کی رات کو پڑھی جاتی ہے۔ یہ سو رکعتیں ہوتی ہیں۔ ہر رکعت میں دس بار سورہ اخلاص پڑھتے ہیں۔ اس بدعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قضا عمری

پہلے میں سمجھتا تھا شاید لوگ جمعۃ الوداع کو قضا عمری کہتے ہیں۔ پھر اتفاق سے ایک رسالے پر نظر پڑی جس میں باقاعدہ یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔ عشرہ اخیرہ و عید الفطر کے معمولات کے عنوان کے تحت لکھا ہے نوافل قضا عمری کی ترکیب یہ ہے کہ

جمعۃ الوداع؟ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ۔ آیۃ الکرسی۔ قل ھو اللہ احد اور سورہ فلق و سورہ الناس ایک ایک بار پڑھے۔ اس کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا گیا (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۴۲) نیز لکھا ہے جس کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں اسے چاہیے کہ پیر کی رات کو پچاس رکعت نفل پڑھے اور فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سو بار درود شریف پڑھے۔ اس سے خدا تعالیٰ ان سب نمازوں (کی قضا کے گناہ) کا کفارہ کر دے گا اگرچہ سو برس کی کیوں نہ ہوں۔

(بحوالہ انیس الارواح) رسالہ مذکور مورخہ ماہ رمضان المبارک و شوال ۱۴۰۹ھ از گوجرانوالہ)

یہ مسئلہ یقیناً ہماری معلومات میں اضافہ ہے مگر افسوس کہ اس کا سنت مصطفیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔

تحیۃ الوضوء

ارشادِ نبویؐ ہے ما من مسلم یتوضأ فیحسن وضوءہ ثم یقوم

فیصلی رکعتین مقبل علیہما بقلبہ ووجہہ الا وجبت لہ الجنۃ (عن عقبہ بن عامر۔ مسلم ص۱۲۲) جو مسلمان بھی سنت کے مطابق وضو کرکے کامل خشوع وخضوع کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

ایک صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال آج رات میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے پاؤں کی آہٹ سُنی ہے آخر تم کونسا عمل کرتے ہو تو انہوں نے عرض کیا اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے اپنا جو عمل سب سے زیادہ مفید لگتا ہے وہ یہ ہے کہ دن ہو یا رات میں مکمل وضو کرکے حتی المقدور اس سے نماز ضرور پڑھتا ہوں (مسلم ج ۲ ص ۲۹۲)

ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں میں جب بھی بے وضو ہوتا ہوں تو وضو کرتا ہوں اور سمجھ لیتا ہوں کہ اللہ کے لیے دو رکعتیں میرے ذمّے ہیں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا بس یہ ان دو رکعتوں کی بدولت ہے (عن بریدہ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب التطوع)

تحیۃ الاذان

قارئین کے لیے یہ اصطلاح شاید نئی ہو تاہم بریدہ والی مذکورہ بالا روایت میں حضرت بلال رضؓ سے تحیۃ الوضوء کے علاوہ جواب میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں ما اذنت قط الا صلیت رکعتین۔ میں جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعت نماز ضرور پڑھتا ہوں۔

تحیۃ المسجد

فرمان نبویؐ ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین

قبل ان یجلس (عن ابی قتادہ سلمی بخاری ص ۶۳ مسلم ص ۲۴۸) جب بھی مسجد میں آؤ۔ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھو۔

اذا کی عمومیت بتلا رہی ہے کہ تحیۃ المسجد کسی وقت میں منع نہیں ہے امام مسلم نے بھی اسی حدیث پر قائم کردہ عنوان میں فرمایا ہے وانہا مشروعۃ فی جمیع الاوقات۔ یعنی تحیۃ المسجد تمام اوقات میں جائز ہے۔ حنفیہ اوقات مکروہہ میں تحیۃ المسجد کو جائز نہیں سمجھتے۔

علامہ نووی رح نے اس حدیث کے ذیل میں ایک اور بہت مفید بات لکھی ہے کہ فرض یا سنن راتبہ یا غیر راتبہ بھی تحیۃ المسجد کا کام دے دیتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت

حضرت عمرو بن عاص رض سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقراہ خمس عشرۃ سجدۃ فی القرآن منہا ثلاث فی المفصل وفی سورۃ الحج سجدتان (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳۰) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پندرہ کی تعداد میں سجدہ ہائے تلاوت بتلائے جن میں تین تو مفصلات میں ہیں یعنی نجم انشقاق اور علق میں اور دو سورہ حج میں ہیں۔

حنفی اور شافعی چودہ سجدوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ چودہ کی کوئی روایت نہیں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ص میں سجدہ نہیں ہے۔ حنفیہ حج کے دوسرے سجدے کے قائل نہیں دلیل میں ان دونوں کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے۔

امام مالک رح آخری تین سجدوں کو نہیں مانتے۔ یہ بات بھی کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی موقع پر سجدہ نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہاں سجدہ نہیں بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سب کے نزدیک سنت ہے۔ صرف حنفیہ کے نزدیک

واجب ہے اور وجوب پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
باقاعدہ ثابت ہے کہ آپ نے سورہ نجم کی آیت سجدہ سُنی اور سجدہ نہ فرمایا
عن زید بن ثابت (بخاری صد ۱۴۶ مسلم صد ۲۱۵)
حنفیہ نے وجوب ثابت کرنے کے لیے بزعم خود یہ حدیث پیش کی ہے
قولہ علیہ السلام السجدۃ علیٰ من سمعھا وعلیٰ من تلاھا
(ہدایہ صد ۱۲۲) نبی علیہ السلام نے فرمایا - جو شخص آیت سجدہ سُنے یا پڑھے
اس پر سجدہ (واجب) ہے -
مگر یہ حدیث نہیں ہے - حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے اور وہ بھی صرف
اتنا ہے السجدۃ علیٰ من سمعھا (ابن ابی شیبہ) جو سُنے اس پر
سجدہ (واجب) ہے - ایسا قول حضرت عثمانؓ سے بھی مذکور ہے -
(بخاری صد ۱۴۶)
ترجمے میں واجب کا ذکر میں نے حنفیہ کا مدعا بیان کرنے کے لیے
کیا ہے ورنہ اس قول سے وجوب ثابت نہیں ہوتا - اس کا مطلب فقط
اتنا ہے کہ اسے سجدہ کرنا چاہیے وجوب کے تو ابن عمرؓ خود بھی قائل
نہیں تھے فرماتے ہیں ان اللہ لم یفرض السجود الا ان نشاء
(بخاری صد ۱۴۷) اللہ تعالیٰ نے تلاوت کا سجدہ فرض نہیں فرمایا مگر یہ کہ ہم چاہیں
بلکہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے بھی مروی ہے من سجد فقد اصاب ومن
لم یسجد فلا اثم علیہ ولم یسجد عمر (بخاری صد ۱۴۷) جس نے
سجدہ کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا اسے کوئی گناہ نہیں اور حضرت
عمرؓ نے سجدہ نہ کیا -

لطیفہ - ہدایہ (صد ۱۲۴) میں لکھا ہے واستحسنوا اخفاءھا شفقۃ
علی السامعین - علمائے احناف کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سامعین
پر شفقت کرتے ہوئے قاری سجدۂ تلاوت کو آہستہ پڑھے - یعنی نہ وہ

سُنیں اور نہ انہیں سجدہ کرنا پڑے۔ میرے بھائی اگر بعد میں شفقت کا خیال آنا تھا تو پہلے یہ سجدہ واجب ہی نہ کرتے۔

صوفی عبدالحمید صاحب دیوبندی فرماتے ہیں گراموفون۔ ٹیلیویژن ٹیپ ریکارڈ لاؤڈ سپیکر وغیرہ آلات سے پڑھی جانے والی آیات سجدہ سُننے والے پر اگرچہ سجدہ واجب نہ ہوگا لیکن سجدہ ادا کر لینا بہتر ہے (نماز مسنون ص۵۲۸)
آج کل لاؤڈ سپیکر کا زمانہ ہے۔ آلات کی شرط لگانے سے حنفی حضرات سجدہ تلاوت کے عدم وجوب میں آہستہ آہستہ ہمارے قریب ہی پہنچ گئے ہیں۔

سجدہ تلاوت کے لیے نماز والی شرائط

کا ثبوت نہیں ملتا۔ مثلاً کان ابن عمر یسجد علی غیر وضوء (بخاری ص۱۴۶)
حضرت ابن عمرؓ وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کر لیتے تھے۔
اس کے تحت حافظ ابن حجرؒ ابن ابی شیبہ کے حوالے سے لکھتے ہیں عن ابی عبدالرحمن السلمی انہ کان یقرأ السجدۃ ثم یسلم وھو علی غیر ....
وضوء الی غیر القبلۃ وھو یمشی یومی ایماء (فتح الباری)
ابو عبدالرحمن سلمیؒ (تابعی) سجدہ تلاوت بغیر وضو کے بغیر قبلہ کے چلتے چلتے اشاروں سے کر لیتے اور پھر سلام پھیرتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدۂ تلاوت فرماتے ہم آپ کے پاس ہوتے آپ بھی اور ہم بھی سب سجدہ کرتے اور اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ ہمیں زمین پر پیشانی رکھنے کو جگہ نہ ملتی۔ (بخاری ص۱۴۶) اس میں بھی احتمال ہے کہ وہ سب کے سب باوضو نہ ہوتے ہوں۔
اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے ہی ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے سال سجدہ تلاوت کی آیت پڑھی تو سب نے سجدہ

کیا حتی ان الراکب لیسجد علی یدہ (ابو داؤد ج ۱ صـ۳۰۵) حتیٰ کہ جو کوئی سوار تھا اس نے اپنے ہاتھ پر سجدہ کیا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے نماز کی طرح وضو وغیرہ کی پابندی ضروری نہیں۔ اگر کسی صاحب کے علم میں ایسی حدیث ہو جس سے سجدہ تلاوت کے لیے وضو کی پابندی ثابت ہوتی ہو تو اسے بہر حال مقدم سمجھنا چاہیے۔

حضرت ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے لا یسجد الرجل الا و ھو طاھر (بیہقی ج ۲ صـ۳۲۵) صرف پاک آدمی سجدہ کرے۔ لیکن ضروری نہیں کہ اس سے ان کی مراد باوضو ہونا ہی ہو۔ کیونکہ بے وضو آدمی سب ناپاک تو نہیں ہوتے۔

سجدۂ تلاوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا پڑھتے تھے۔ سجد وجھی للذی خلقہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ (عن عائشہؓ ابو داؤد صـ۵۳۳ ترمذی ج ۱ صـ۴۰۳)

سجدہ کیا میرے چہرے نے اس خدا کو جس نے اسے پیدا کیا اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں اپنی قوت کے ساتھ۔

مُلّا علی قاری حنفیؒ مرقات میں اپنا اور علامہ ابن ہمام حنفیؒ کا یہ مسلک بیان فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت اگر فرضی نماز کے دوران میں ہو تو پھر یہ دُعا نہ پڑھے بلکہ وہی پڑھے جو عام سجدوں میں پڑھتا ہے (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ صـ۴۰۳) یہ پابندی بلا دلیل ہے۔

سجدۂ شکر

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا جاءہ امر یسرہ خر

ساجد اللہ (عن ابی بکرۃ - ابن ماجہ صلنا ابوداؤد - ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ - باب فی سجود الشکر) خوشخبری سن کر نبی علیہ السلام بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہوجایا کرتے۔

سجد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاطال السجود ثم رفع رأسہ وقال ان جبریل اتانی فبشرنی فسجدت للّٰہ شکرا (عن عبدالرحمٰن بن عوف مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۶ حاکم) نبی علیہ السلام نے ایک طویل سجدے سے سر مبارک اُٹھایا اور فرمایا۔ میرے پاس جبریلؑ آئے تھے۔ اُنھوں نے مجھے ایک خوشخبری دی پس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ شکر بجالایا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق وہ خوشخبری یہ تھی من صلی علیک صلی اللّٰہ علیہ بھا عشرا (احمد بحوالہ سبل السلام جزء اوّل ص ۲۰۸) جو آپ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجے گا۔

نبی علیہ السلام نے سورہ ص میں سجدہ تلاوت کرکے فرمایا: سجدھا داؤد علیہ السلام توبۃ ونسجدھا شکرا (عن ابن عباس۔ نسائی ج ۱ ص ۱۱۷) داؤد علیہ السلام نے توبہ کے لیے سجدہ کیا اور ہم نے شکر کے لیے سجدہ کیا۔

حضرت علیؓ نے خط بھیجا کہ اہل یمن مسلمان ہوگئے ہیں فلما قرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الکتاب خر ساجدا شکرا للّٰہ تعالیٰ (عن البراء بن عازب - بیہقی ج ۲ ص ۳۶۹) تو خط پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر ادا فرمایا۔

ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دُعا مانگی اور تین بار سجدہ کیا پھر فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمت کی شفاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے تہائی تہائی کرکے ساری اُمت بخش دی تو میں نے شکر کے سجدے کیے (عن سعد بن ابی وقاصؓ - ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ باب فی سجود الشکر)

سفر تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے پچاس دن بعد جب حضرت کعب بن مالکؓ کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے سجدہ کیا (بخاری ص ۶۶۳)

نبی علیہ السلام کی بتلائی ہوئی نشانی کے مطابق جب خوارج کے مقتولوں میں ذوالثدیہ کی نعش برآمد ہوئی تو حضرت علیؓ نے سجدۂ شکر ادا کیا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱)

جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی اطلاع ملی تو حضرت ابوبکرؓ نے سجدہ کیا۔ (سعید بن منصور بحوالہ زاد المعاد ص ۹۵)

علامہ صنعانیؒ فرماتے ہیں سجدۂ شکر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک مشروع ہے امام مالکؒ کے نزدیک مشروع نہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ مکروہ ہے نہ مستحب (سبل السلام ج ۱ ص ۲۰۸)

سجدۂ تلاوت کی طرح سجدۂ شکر میں بھی نماز والی شرائط کا ذکر نہیں ملتا تاہم علماء کا اس میں بھی اختلاف موجود ہے (نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۱۳) یاد رہے سجدۂ شکر کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکرانے کے نفل پڑھنا بھی ثابت ہیں۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم لبشر برأس ابی جہل رکعتین (ابن ماجہ ص ۱۰۱) ابوجہل کے قتل کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شکرانہ ادا فرمائی۔

سجدۂ سانحہ

حضرت ابن عباسؓ کو تبلایا گیا کہ حضور علیہ السلام کی فلاں بیوی صاحبہ انتقال فرما گئی ہیں تو انھوں نے فوراً سجدہ کیا۔ پوچھا گیا یہ سجدہ کیسا ہے تو جواب میں کہا نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اذا رأیتم آیۃ فاسجدوا و ای آیۃ اعظم من ذھاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۴)

جب تم کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کرو ۔ تو نبی علیہ السلام کی بیویوں کے سانحہ ارتحال سے بڑھ کر کونسی نشانی ہو سکتی ہے ۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے صحابہ کرام کے دل میں ازواج مطہرات کی کتنی قدر و منزلت تھی اور وہ انہیں کتنا عظیم جانتے تھے اور ان کے فوت ہونے کو کتنا بڑا واقعہ تصور کرتے تھے ۔

اوقات مکروہہ

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے ثلاث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھانا ان نصلی فیھن او ان نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس وحین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب (مسلم ج ۱ ص۲۷۶) تین اوقات میں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے اور اپنی میتوں کو دفنانے سے منع فرمایا طلوع آفتاب کے وقت نصف النہار کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت ۔

اس پابندی سے مکہ مکرمہ مستثنیٰ ہے ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بھذا البیت و صلی ایۃ ساعۃ شاء من لیل او نھار (عن جبیر بن مطعم کتاب الحج ترمذی ج ۲ ص۹۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبد مناف دن ہو یا رات جس گھڑی بھی کوئی چاہے کسی کو بیت اللہ شریف کے طواف سے اور نماز پڑھنے سے نہ روکو ۔

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اہلحدیث کا یہی مذہب ہے ۔ مولانا عبدالحئی لکھنویؒ اور طحاویؒ نے بھی اسی مسلک کو ترجیح دی ہے (التعلیق الممجد بحوالہ

تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۹۵)

حنفیہ اور مالکیہ قائل نہیں - ان کی دلیل یہ روایت ہے فلما قضی عمر طوافہ نظر فلم یر الشمس فرکب حتیٰ اناخ بذی طوی فصلی رکعتین (عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری مؤطا امام مالک ص۱۴۳) حضرت عمرؓ طواف سے فارغ ہوئے تو انہیں سورج دکھلائی نہ دیا اور وہ سوار ہو کر چلے گئے اور ذی طوی میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی - لیکن اس میں منع کی کوئی دلیل نہیں - جائز بہر حال دونوں طرح ہی ہے -

امام شافعیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام ابو یوسفؒ اور بہت سے اہلحدیث کے نزدیک جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نفل پڑھنا جائز ہیں - ان کی دلیل یہ ہے عن ابی الخلیل عن ابی قتادۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کرہ الصلوٰۃ نصف النہار الا یوم الجمعۃ وقال ان جہنم تسجر الا یوم الجمعۃ (ابوداؤد ج ۱ ص۴۲۱ وبیہقی ج ۳ ص۱۹۳) نبی علیہ السلام نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند فرمایا سوائے جمعہ کے اور فرمایا جمعہ کے علاوہ باقی ایام میں جہنم بھڑکایا جاتا ہے -

مگر امام ابو داؤد نے اس حدیث کو مُرسل قرار دیا ہے - وہ فرماتے ہیں کہ ابو الخلیل کا ابو قتادہ سے سماع ثابت نہیں -

بلا عذر نماز میں تاخیر جائز نہیں - تاہم اگر کسی وجہ سے فرض نماز نہ پڑھی جا سکے تو اسے اوقات مکروہہ میں پڑھا جا سکتا ہے ارشادِ نبویؐ ہے من ادرک رکعۃ من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر (عن ابی ہریرہ بخاری ص۷۹ مسلم ج ۱ ص۲۲۱) جسے قبل از طلوع آفتاب صبح کی ایک رکعت مل گئی اسے صبح کی نماز مل گئی اور جسے

قبل از غروب آفتاب عصر کی ایک رکعت مل گئی اسے عصر کی نماز مل گئی۔

یہ مسلک متفق علیہ ہے۔ سوائے اس کے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اس صورت میں عصر کی نماز تو ہو جائے گی صبح کی نماز نہیں ہو گی (ہدایہ صـ۵۵)

ان اوقات مکروہہ میں دیگر قضا شدہ نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من نسی صلوٰۃ او نام عنھا فکفارتھا ان یصلیھا اذا ذکر (عن انسؓ مسلم صـ۲۴۱) جو نماز کو بھول جائے یا اس سے سو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے نماز پڑھ لے۔

جیسا کہ قبل ازیں زیر عنوان فجر اور عصر کے بعد یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم ج ا صـ۲۷۵)

لیکن مروی ہے کہ آپؐ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو حضرت ام سلمہؓ نے ایک لڑکی کی معرفت پوچھا یا رسول اللہ آپ نے ان سے منع فرمایا ہے اور اب آپ خود پڑھتے ہیں تو فرمایا یا ابنۃ ابی امیہ سالت عن الرکعتین بعد العصر انہ اتانی اناس من بنی عبد القیس بالاسلام من قومھم فشغلونی عن الرکعتین بعد الظھر فھما ھاتان (مسلم ج ا صـ۲۷۶)

اے ابو امیہ کی بیٹی تو نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے تو بات یہ ہے کہ بنو عبد القیس کا ایک وفد اسلام قبول کرنے کے لیے مجھے ملنے آ گیا تھا تو اس مصروفیت میں میری ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں جو میں نے اب پڑھی ہیں۔ پھر نبی علیہ السلام انہیں ہمیشہ پڑھنے لگ گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین بعد العصر عندی قط (بخاری صـ۸۳ مسلم صـ۲۷۶) میرے ہاں نبی علیہ السلام عصر کے بعد ہمیشہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں فرماتی ہیں والذی ذھب بہ ما ترکھما حتیٰ

لقی اللہ (بخاری صث ۸۳) قسم اس خدا کی جو حضورؐ کو لے گیا آپؐ نے یہ دو رکعتیں آخر دم تک نہیں چھوڑیں۔

اس کی بابت ابو سلمہ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کان یصلیھما قبل العصر ثم انہ شغل عنھما او نسیھما فصلا ھما بعد العصر ثم اثبتھما وکان اذا صلی صلوٰۃ اثبتھا (مسلم صث ۲۷۷) نبی علیہ السلام عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر ایک روز آپ مشغول ہو گئے تو انہیں عصر کے بعد پڑھا اور پھر عصر کے بعد مستقل پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ جب بھی کوئی نماز پڑھ لیتے تو اس پر مواظبت فرماتے۔

اس سے پہلے ام سلمہؓ کی روایت میں گذر رہا ہے کہ آپؐ کی ظہر کے بعد والی رکعتیں قضا ہوئی تھیں۔ صحیح بات بھی یہی ہے۔ علماء نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ عصر سے پہلے ظہر کے بعد کا وقت ہی تو ہوتا ہے (شرح مسلم نووی صث ۲۷۸)

ان احادیث سے بے شک یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفلی نماز کی قضا دی جا سکتی ہے اور عصر کے بعد بھی دی جا سکتی ہے۔ مگر ان سے مداومت پر استدلال درست نہیں کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہوا۔

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کوئی سبب پیدا ہو جائے تو نماز ہائے فجر و عصر کے بعد کوئی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ مثلاً قضا شدہ سنتیں۔ نماز جنازہ۔ نماز کسوف۔ تحیۃ المسجد۔ سجدہ تلاوت وغیرہ۔ ہمارے علماء تو اس صورت میں بھی جائز سمجھتے ہیں جب سورج اندر باہر ہو۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ایسی حالت میں نفلی اور سببی نمازوں سے بھی پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان اوقات میں خاص طور پر منع فرمایا ہے۔ دو تین

منٹ کی تو بات ہوتی ہے ۔ ہاں کوئی مجبوری ہو تو الگ مسئلہ ہے ۔

شروع میں بیان کردہ عقبہ بن عامرؓ کی روایت کے مطابق نبی علیہ السلام نے سورج نکلتے ڈوبتے اور ڈھلتے وقت میت کو سپرد خاک کرنے سے بھی منع فرمایا ۔ (مسلم ج ۱ ص۲۷۶)

ہدایہ ص۵۵ میں لکھا ہے والمراد لیقولہ وان نقبر صلوٰۃ الجنازۃ لان الدفن غیر مکروہ ۔ سپرد خاک کرنے سے مراد جنازہ ہے ۔ اس لیے کہ ان اوقات میں دفن کرنا تو مکروہ ہی نہیں ۔ حاشیہ میں غیر مکروہ کے ساتھ بالاجماع کا اضافہ بھی ہے ۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں بعض (مثلاً احناف) نے قبر میں دفن کرنے سے نماز جنازہ مراد لی ہے ۔ یہ قول ضعیف ہے ۔ اس لیے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ بالاجماع مکروہ نہیں ہے ۔ لہٰذا اجماع کے خلاف حدیث کی تشریح (بلکہ تاویل اور وہ بھی اجماع کے ساتھ) نہیں کرنی چاہیے ۔ صحیح بات یہی ہے کہ دفن کے معاملے میں قصداً ان اوقات تک تاخیر نہیں کرنی چاہیے ۔ بالفرض کسی وجہ سے ہو جائے تو جائز بھی ہے جیسے نبی علیہ السلام نے عصر کی نماز کو سورج زرد ہونے تک موخر کرنے سے منع فرمایا لیکن اگر بالفرض دیر ہو جائے تو منع نہیں ہے (شرح مسلم ص۲۷۶)

اجماعین کے تصادم سے بچنے کا بہترین طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تین لمحات میں قصداً نہ کوئی سببی نماز پڑھی جائے نہ میت کی تدفین عمل میں لائی جائے ۔ ذرا سا انتظار کر لیا جائے ۔

مقاماتِ ممنوعہ

یوں تو ساری زمین پاک ہے ۔ کہیں بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جعلت لنا الارض مسجدا وطھورا (عن جابر بن عبداللہ بخاری ص۶۲) ہمارے لیے ساری زمین مسجد اور وضو بنا دی گئی۔

لیکن جس طرح نماز کے لیے کچھ اوقات مکروہ ہیں اسی طرح کچھ مقامات بھی مکروہ بیان کیے گئے ہیں۔ ابن عمر رض فرماتے ہیں نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی فی سبعۃ مواطن فی المزبلۃ والمجزرۃ والمقبرۃ وقارعۃ الطریق وفی الحمام وفی معاطن الابل وفوق ظھر بیت اللہ (ترمذی ج ۱ ص۲۸ ابن ماجہ ص۵۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا کوڑے میں، ذبح خانے میں مقبرے میں راستے میں۔ غسل خانے میں، اونٹوں کے باڑے میں اور خانہ کعبہ کی چھت پر۔

مگر یہ روایت بہت ضعیف ہے کیونکہ ترمذی والی سند میں زید بن جبیرہ ابن ماجہ والی سند میں عبدالرحمٰن بن صالح اور ان دونوں سندوں میں عبداللہ بن عمر العمری سب ضعیف ہیں۔

ایک روایت یوں آتی ہے الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام (عن ابی سعید الخدری ترمذی ص۲۶۳) مقبرہ اور حمام کے سوا ساری زمین مسجد ہے۔ اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

حضرت علی رض فرماتے ہیں ان حبی علیہ السلام نھانی ان اصلی فی المقبرۃ ونھانی ان اصلی فی ارض بابل فانھا ملعونۃ (ابوداؤد ص۱۸۳) نبی علیہ السلام نے مجھے مقبرے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ شہر بابل میں بھی نماز پڑھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ ملعون جگہ ہے اس کی سند بھی بالکل بے کار ہے (عون المعبود ص۱۸۴)

مقامات مقدسہ

گو خداوند کریم کی ساری زمین پاک ہے مگر مسجدوں کو زیادہ شرف اور فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے "فرضی نماز مسجد میں" کے زیر عنوان بیان ہو چکا ہے کہ مسجد میں با جماعت نماز پچیس گنا زیادہ درجہ رکھتی ہے (عن ابی ہریرہ صحیحین) نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احب البلاد الی اللہ مساجدھا (عن ابی ہریرہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب المساجد) مسجدیں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں فرمایا خیر البقاع مساجدھا (عن ابن عمر۔ ابن حبان ج ۴ صـ ۶۴) مسجدیں سب سے بہترین قطعات ہیں۔

فرمایا مسجدیں ریاض الجنۃ۔ یعنی بہشت کے باغات ہیں (عن ابی ہریرہ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب المساجد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آدمیوں کا ذکر فرمایا جنہیں اللہ تعالےٰ روزِ قیامت اپنے زیر سایہ جگہ دے گا۔ ان میں سے ایک کا ذکر اس طرح فرمایا رجل قلبہ معلق بالمسجد اذا خرج عنہ حتیٰ یعود الیہ۔ (عن جابرؓ بخاری مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب المساجد) وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو۔ نماز پڑھ کر چلا بھی جائے تو دوبارہ لوٹنے تک دھیان اس کا ادھر ہی رہے۔

لیکن جو تقدس جو امتیازی نشان اور جو مرتبہ مسجد حرام مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ کو حاصل ہے وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہے۔ ان میں ایک نماز کا ثواب کئی نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے ارشادِ نبوی ہے صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام (عن ابی ہریرہ بخاری صـ ۱۵۹ مسلم صـ ۴۴۶) مسجد حرام

کو مستثنیٰ کر کے باقی مسجدوں کے مقابلے میں میری مسجد میں نماز پڑھنا ہزار نمازوں سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

نیز فرمایا ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ (عن عبداللہ بن زید بخاری ص۱۵۹ مسلم ص۴۴۶) میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

نیز فرمایا الصلوٰۃ فی المسجد الحرام بمأۃ الف صلوٰۃ والصلوٰۃ فی مسجدی بالف صلوٰۃ والصلوٰۃ فی بیت المقدس بخمس مأۃ صلوٰۃ (عن ابی الدرداء - بزار - طبرانی - بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۶۹) مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر میری مسجد میں ایک ہزار کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو کے برابر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کی فضیلت مسجد نبویؐ سے سوگنا زیادہ ہے۔ اس کی تائید عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان میں موجود ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا گھر میں نماز کا ثواب ایک کے برابر محلے کی مسجد میں پچیس کے برابر جامع مسجد میں پانچ سو کے برابر مسجد اقصیٰ میں پچیس ہزار کے برابر اور میری مسجد میں پچاس ہزار کے برابر اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کے برابر ہے (عن انس بن مالک ابن ماجہ ص۱۰۳)

مگر اس کی سند میں ایک راوی ابو الخطاب دمشقی مجہول ہے اور وہ رزیق سے روایت کرتا ہے جس کے متعلق لکھا ہے صدوق لہ اوھام (تقریب التہذیب)

بہرحال یہ تینوں مسجدیں اپنے اندر بڑی شان رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت عزت بخشی ہے۔ یہ ہمارے لیے روحانی مرکز ہیں۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جنہیں حرمین شریفین میں پہنچ کر ان مسجدوں میں نماز پڑھنی نصیب

نہیں ہوتی اور ان سے بھی زیادہ بدقسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کے مقابلے میں سینکڑوں قبروں کے ساتھ شریف کا دم چھلا لگا کر انہیں اپنا روحانی مرکز و مستقر بنا ڈالا ہے۔

مدینہ بھی مطہر ہے مطہر ہے علی پور بھی
ادھر جائیں تو اچھا ہے ادھر جائیں تو اچھا ہے

العیاذ باللہ

شد رحال

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ (عن ابی ہریرہ بخاری ص۱۵۸) کجاوے نہ کسے جائیں مگر ان تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

معلوم ہوا ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مقام کے لیے زیارت اور تبرک کے طور پر سفر اختیار کرنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں نے جن میں ہمارے ملک کے کچھ دیوبندی موحدین بھی شامل ہیں اس حدیث کو تاویل کے خراد پر چڑھا کر بے معنی بنانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ پوری فضیلت انہی تین مسجدوں کی طرف سفر کرنے میں ہے یا یہ کہ ان کے سوا کسی مسجد میں نماز کی نذر مان کر سفر نہیں کرنا چاہیے یا اعتکاف کی نیت سے سفر نہیں کرنا چاہیے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاوہ کسی مسجد کی طرف شد رحال نہیں کرنا چاہیے یہ سب تاویلیں ایسی ہیں جیسے مرزائی خاتم النبیین کے بارے میں کیا کرتے ہیں۔

مقصد ان سب تاویلوں کا صرف یہ ہے کہ مزاروں کی طرف شد رحال کا

جواز کسی طرح برقرار رکھا جا سکے۔

سوال یہ ہے جب بقول مؤلین شد رحال والی حدیث سے مراد صرف مسجدیں ہیں تو مسجدیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احب البلاد ہیں (عن ابی ہریرہ مسلم) ان کی طرف سوا ان تین مساجد کے سفر کرنا جائز نہیں تو دیگر مقامات کی طرف سفر زیارت کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

نیز گزارش ہے کہ سب سے عظیم الشان قبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک ہے۔ اگر قبروں کی طرف سفر کرنا مسنون کام ہوتا، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی تو روضہ نبوی کی زیارت کے بارے میں لازماً کوئی صحیح حدیث موجود ہوتی چاہیے تھی آپ حیران ہوں گے روضہ نبوی کی زیارت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جو بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف یا موضوع ہیں۔

بلکہ اس کے برعکس آپ سے مروی ہے لاتجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم (عن ابی ہریرہ نسائی) بحوالہ مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا) میری قبر پر میلہ نہ لگانا۔ مجھ پر درود بھیجو۔ تم جہاں کہیں ہوگے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔

میلہ تو ایک طرف رہا آپ نے تو قبروں کو پختہ تک کرنے سے منع فرمایا ہے نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ (عن جابر مسلم ص ۳۱۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں والحق ان القبر ومحل عبادۃ ولی من اولیاء اللہ والطور کل ذلک

سواء فی النھی (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۹۲) حق بات یہ ہے کہ شد رحال والی نہی میں قبریں، خانقاہیں اور طور پہاڑ وغیرہ سب شامل ہیں۔

پچھلے دنوں اخبارات میں ایک مولوی صاحب کا بیان شائع ہوا تھا کہ بزرگوں کے روضوں پر عرس اور میلے اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں تبھی مسلمانوں میں ان کا رواج ہوا۔

افسوس ہے کہ یہی دلیل نبی علیہ السلام کے زمانے میں مشرکین نے اپنے شرک کے حق میں دی تھی سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباءنا ولا حرمنا من شئ (انعام۔ ۱۴۸) البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے شرک نہ کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔

یہ مضمون النحل ۔ ۳۵ اور الزخرف ۔ ۲۰) میں بھی بیان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت میں اور اس کی رضا میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مزاروں کا مرجع خاص و عام ہونا اور ان پر عرس اور میلوں کا لگنا بھی کوئی دلیل ہوتی اور ان لغو بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو ذرہ برابر بھی دخل ہوتا تو گزشتہ انبیائے کرام کی قبریں محفوظ رکھی جاتیں اور ان پر بھی بلند و بالا مزار بنتے۔

شد رحال کے سلسلے میں مزید عرض ہے کہ خاکسار کو تو رائے ونڈ سے بھی کچھ خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ صرف چند تقریریں سننے کے لیے کوئی اتنی دور دراز کا سفر اختیار نہیں کرتا۔ اور پھر دعا کے روز لوگ اس طرح بھاگے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ وہاں زیادہ سنتا ہو جیسے وہ رائے ونڈ کی زمین نہ ہو بلکہ عرفات کا میدان ہو۔ یہ لوگ ہر سال اپنے اجتماع کا حج کے اجتماع سے موازنہ کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں حج کے بعد سب سے بڑا اجتماع۔ حج یا مقامات حج کی عظمت افراد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی وجہ سے

نہیں بلکہ شعائر اللہ میں سے ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر سینما میں آدمی زیادہ جائیں اور مسجد میں کم آئیں تو اس سے سینما کی عظمت نہیں ہے بلکہ لوگوں کی بے راہ روی ہے۔

مسجد قباء

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا وکان عبد اللہ بن عمر یفعلہ (بخاری ص ۱۵۹) نبی علیہ السلام ہر ہفتے کے روز پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء میں تشریف لے جاتے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کا عمل بھی یہی تھا۔

اسی صفحے پر ایک روایت کے مطابق آپؐ وہاں دو رکعت نماز بھی پڑھتے تھے۔ اور اسی صفحے پر ایک دوسری روایت کے مطابق جو حضرت نافع سے مروی ہے کہ یہی عمل حضرت ابن عمرؓ کا بھی تھا اور وہ یہ نماز صلوٰۃ الضحیٰ اور تحیۃ المسجد سمجھ کر پڑھتے تھے۔

شد رحال کے باب میں گزرا ہے کہ آپؐ نے مقامات ثلاثہ کے سوا کہیں سفر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اب یا تو یہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لمسجد اسس علی التقویٰ سے مراد مسجد قباء ہے۔ (عن ابی ہریرہ ابو داؤد ج ۱ ص ۱۶) نیز آنحضرتؐ سے بھی مروی ہے الصلوٰۃ فی مسجد قباء کعمرۃ (عن اسید بن حضیر ترمذی ج ۱ ص ۲۶۹) مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے۔

اسے امام ترمذی نے حسن غریب لکھا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں لان اصلی فی مسجد قباء رکعتین احب الی من ان آتی بیت المقدس مرتین لو یعلمون مافی قباء لضربوا الیہ اکباد الابل (ابن ابی شیبہ بحوالہ فتح الباری تحفۃ الاحوذی

ج ۱ صلہ ۲۶۹) مسجد قبا میں دو رکعتیں پڑھنا مجھے بیت المقدس کی طرف دو بار جانے سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ مسجد قبا کی کیا فضیلت ہے تو وہ اس کی طرف اونٹوں کو تھکا دیں ۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح فرمایا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ مسجد قباء میں جانا شد رحال میں شامل ہی نہیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام مدینہ منورہ سے قبا کو تشریف لے جایا کرتے تھے جو وہاں سے صرف تین میل پر واقع ہے۔ آپ کے تشریف لے جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس کی بنیاد رکھی تھی اور اس سے آپ کی یادیں وابستہ تھیں۔ اگر یہ توجیہ درست ہو تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نزدیکی اور مقامی مساجد کی طرف تھوڑا بہت چل کر یا سوار ہو کر جانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں شد رحال والا مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی کی آخری نماز

حضرت خبیب انصاریؓ کو کفار مکہ شہید کرنے لگے تو انہوں نے کہا ذرونی ارکع رکعتین فترکوہ فرکع رکعتین ثم قال لولا ان تظنوا ان ما بی جزع لطولتھا (بخاری ص ۴۲۸) مجھے دو رکعتیں پڑھ لینے دو انھوں نے مہلت دے دی تو آپؓ نے دو رکعتیں پڑھیں اور فرمایا اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں ڈر گیا ہوں تو میں ان رکعتوں کو لمبا کرتا۔

چونکہ یہ نماز ایک شہید ہونے والے صحابی نے نبی علیہ السلام کے عہد میں پڑھی ہے اس لیے اس کی فضیلت کو تسلیم کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں فکان خبیب ھو سن الرکعتین لکل امری مسلم

قتل صبرا ۔ خبیبؓ ہی نے ہر اس مسلمان کے لیے جسے باندھ کر شہید کیا جائے دو رکعتیں پڑھنے کی سنت جاری کی۔

سچ تو یہ ہے مسلمان کو چاہیے ہر نماز کو اپنی زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھے ۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے نماز اس شخص کی طرح پڑھو جو دنیا چھوڑ کر جا رہا ہو۔ اور ایسی گفتگو نہ کرو جس سے بعد میں تمہیں معذرت کرنی پڑے اور لوگوں سے امید مت رکھو (عن ابی ایوب الانصاری ۔ مسند احمد ج ۵ صہ ۲۳)

نیز چاہیے کہ ہم ہمیشہ نماز پڑھیں کیونکہ زندگی کا سفر کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے اور حدیث نبوی کے مطابق اعمال کا اعتبار تو ہے ہی خاتمہ کے لحاظ سے (عن سہل بن سعد ۔ صحیحین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت بھی یہی تھی ۔ آپ بار بار ارشاد فرما رہے تھے لوگو! نماز کا خیال رکھنا (عن علیؓ مسند احمد ج ۱ صہ ۸۱)
اور خود آپؐ کو بھی اللہ پاک کا یہی حکم تھا واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین (الحجر ۔ ۹۹) اور آخری دم تک اپنے رب کی عبادت جاری رکھو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

جن کتابوں سے براہِ راست مدد لی گئی

قرآن مجید - صحیح بخاری - صحیح مسلم مع شرح نووی - سنن ابی داؤد مع عون المعبود
سنن نسائی مع تعلیقات سلفیہ - جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی - سنن ابن ماجہ
مطبع فاروقی دہلی - مؤطا امام مالک مطبع مجتبائی دہلی - مسند احمد ادارہ احیاء السنۃ
گرجاکھ - صحیح ابن خزیمہ - سنن کبریٰ بیہقی طبع بیروت - مستدرک حاکم - دارقطنی
مصنف ابن ابی شیبہ - مشکوٰۃ المصابیح - قیام اللیل للمروزی مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل
فتح الباری - سبل السلام طبع مصر - نیل الاوطار ناشر انصار السنۃ المحمدیہ
لاہور - حجۃ اللہ البالغۃ مکتبہ سلفیہ لاہور - غنیۃ الطالبین مترجم شاہ عبدالقادر
جیلانی رح - مطبع صدیقی لاہور - ہدایہ - مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
فتاویٰ عالمگیری - مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور - وغیرہ -

ملنے کا پتہ: مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Ph:7351124,7230585